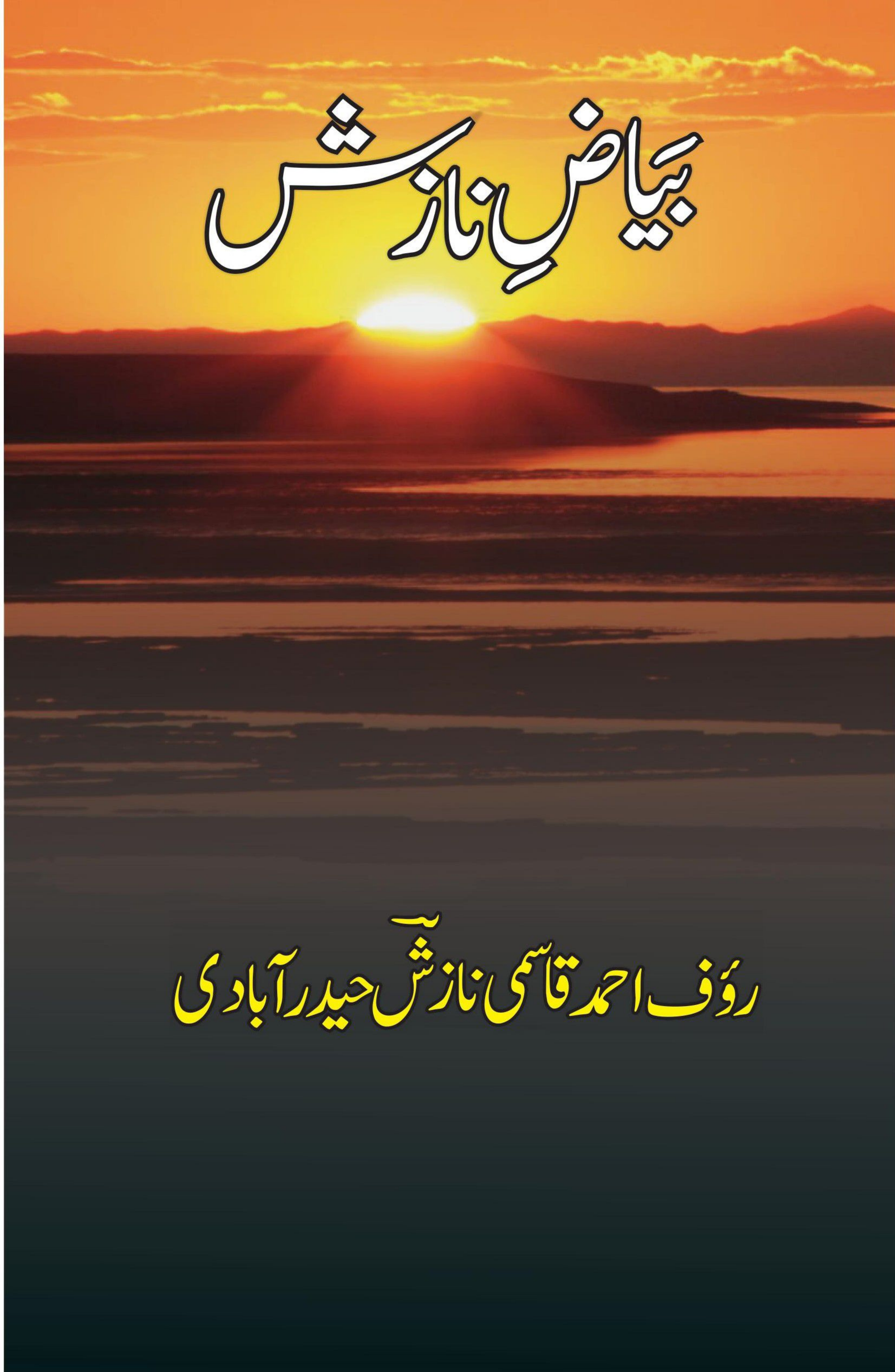


بیاضِ نازش

رؤف احمد قاسمی نازشؔ حیدرآبادی

بیاضِ نازش

مصنف

رؤف احمد قاسمی نازؔش حیدرآبادیؒ

BIYAZ-E-NAZISH

BY

RAUF AHMED QASMI NAZISH

نام کتاب	:	بیاضِ نازش
مصنف	:	رؤف احمد قاسمی نازشؔ حیدرآبادیؒ
مرتبین	:	فوزیہ تبسم بنتِ نازشؔ / محمد حنیف کاتب
کمپوزنگ	:	ساجد حسین ندوی
ناشر	:	سید مسعود الحسن
سن اشاعت	:	2021
مطبع	:	

ملنے کا پتہ

51/65, North Avenue Road, 3rd Block,
Mutthamizh Nagar, Chennai- 600118
موبائل: +919940354207 / +919840480031
E-mail : masoodulhasan@gmail.com
ft80031@gmail.com

بسم اللہ الرحمان الرحیم

شاعر کے حالاتِ زندگی خود ان کی زبانی

نام : رؤف احمد

مادر علمی سے نسبت : قاسمی

تخلص : نازشؔ

پورے نام کی ترتیب : رؤف احمد قاسمی نازشؔ حیدرآبادی

20/08/1947 کو میری پیدائش آرکاٹ تامل ناڈو میں ہوئی، والد محترم جناب محمد انصار پاشا صاحب مہدیؔ مدراس سے نقلِ وطن کر کے بودھن ضلع نظام آباد کی شوگر فیکٹری شکر نگر میں ملازم ہو گئے۔

سرکاری تعلیم دسویں پاس کرنے کے بعد والد صاحب نے اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عبد الغفور صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر مجھے قرأت تجوید کے لیے حیدرآباد بھیج دیا۔ مشہور زمانہ مقری حضرت قاری عبد الباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام جامع مسجد سکندرآباد کی مشفقانہ توجہ سے قرأت و تجوید سے فیضیاب ہوا اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے سند قرأت حاصل کی۔

اس کے بعد درس نظامیہ کے لیے حضرت الاستاد شیخ کامل شاہ عبد الغفور صاحب قبلہ خلیفہ حضرت شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں دار العلوم ناندیڑ پہنچا۔ از میزان تا تفسیر جلالین حضرت قبلہ سے پڑھ کر عازم بحر العلوم بجانب دار العلوم دیوبند روانہ ہوا۔ حضرت الاستاذ میاں صاحب سے ہدایہ آخیرین پڑھی، حضرت الاستاذ شیخ سید فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیضاوی، حضرت علامہ

ابراہیم بلیاوی سے ترمذی شریف، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب سے مسلم شریف، حضرت شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب حکیم الاسلام سے طحاوی شریف اور حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ابوداؤد پڑھی۔ اور تین سال بعد دورۂ حدیث سے فراغت پائی۔ الحمدللہ والشکرلہ۔

شعروشاعری تین پشتوں سے چلی آرہی تھی، پردادا قناعت سے متخلص تھے، دادا محمد اسماعیل صاحب کو بھی شاعری سے کافی شغف رہا۔ والد محترم محمد انصار پاشا مہدیؔ کو ان کے استاذ حضرت بشیر صاحب نے شاعری میں بڑی رہنمائی کی تھی اور شاید میرا نام بھی انہی کے اشارے پر رؤف احمد رکھا تھا۔ والد صاحب کی شاعری میں سلوک وعرفان کے مضامین کی کثرت رہا کرتی ہے۔

حیدرآباد اور نا ندیڑ لاتور کے دور طالب علمی ہی میں میری شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔ اساتذہ کرام میری شاعری کو سن کر داد تحسین دیا کرتے تو میرا حوصلہ بڑھ جاتا اور اسپِ شاعری کی رفتار محفلوں میں تیز ہو جاتی تھی۔

دیوبندِ دلبند جو پہنچا تو مشہور زمانہ شاعرِ انقلاب علامہ انور صابری دیوبندی نے ایک تھپڑ میرے گال پر رسید کیا اور اپنے تلامذہ میں شامل کرلیا۔ پھر علامہ نے بہت جلد مجھے فارغ الاصلاح کر دیا اور خود ہی مشاعروں کی دنیا میں میرا تعارف نازش حیدرآبادی سے کروایا۔ علامہ کے ساتھ کئی مشاعرے پڑھنے کی سعادت ملی۔ ساتھ ہی مربی ومشفق ومخدومی حضرت سید فخر الحسن رحمۃ اللہ علیہ شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند کی معیت میں دینی مدارس کے جلسوں میں شرکت کرتا رہا۔ حضرت جی میری زبان سے نعت رسول ﷺ سن کر رقت بھرے انداز میں دادِ تحسین دیا کرتے تھے۔ اسی طرح میرے شیخ ومربی حضرت شاہ عبدالغفور قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا عالم تھا کہ ادھر میں نے کلام شروع کیا اور ادھر وجد کا سماں بندھ گیا۔

ایک بار میری غزل کی صرف مطلع کو بیس بار مجھ سے دہرایا تھا، مطلع تھا۔

عشق کی راہ پر چلنے والے عشق کی کوئی منزل نہیں ہے

راہ میں تھک کے جو بیٹھ جائے اس سفر کے وہ قابل نہیں ہے

پھر میں والدین کے پاس شکرنگر گھر لوٹ آیا۔ کچھ ماہ گزار کر مدراس کے پنجاب اسوسی ایشن کے مشاعرے میں آیا تو وہاں ترنامل کے ایک رئیس نے امامت وخطابت سنبھالنے پر آمادہ کرلیا۔ میں نے خوشی سے ذمہ داری قبول کرلی اور ترنامل کی جامع مسجد کو چلا آیا۔ ابھی ایک ماہ بھی گذرا نہ تھا کہ شہر وانمباڑی کا ایک کارواں ترنامل سے ہوکر گذرا، ایک وقت کی نماز کیا ادا کی اہل کارواں مولانا فضل الرحمٰن صاحب، کوتوال عبداللہ صاحب ،آمنہ محمد ابراہیم صاحب نے مسجد قلعہ وانمباڑی کی امامت کا عہدہ پیش فرمادیا۔ شہر وانمباڑی کے علم دوست ماحول کے بارے میں پہلے سے ہی سن رکھا تھا۔ بس ترنامل سے وانمباڑی چلایا اس وقت وانمباڑی مجھے چھوٹا سا حیدرآباد لگا تھا۔

اہل جماعت نے بہ طیب خاطر مجھے قبول کیا اور پھر سات ماہ بعد میری شادی شہر مدراس میں ہوئی۔ اور اس طرح وانمباڑی کی پٹری پر امامت کی گاڑی رواں دواں ہوگئی۔ مشہور زمانہ مدرسہ معدن العلوم کی مدرسی بھی جاری ہوگئی، جب پورے ستائیس سال گذر چکے تو میں نے استعفیٰ پیش کردیا۔ جماعت میں قبول کرنے سے انکار کردیا آخر ناخواستگی سے قبول کرلیا اور پورے اعزاز کے ساتھ مجھے رخصت کردیا۔

مسجد کی امامت اور معدن کی مدرسی کے دوران والد محترم اور دیگر مخلصین نے قرآن پاک کے ترجمہ کو منظوم لکھنے پر اصرار کیا۔ بال سے باریک، تلوار سے تیز اس کار عظیم میں بڑی دشواریاں تھیں متوکل علی اللہ کام کا آغاز کردیا اور نام رکھا ''**نفحۃ القرآن**'' جیسے جیسے کاروانِ قلم شاہ راہِ قرطاس پر دوڑتا گیا خداوند قدوس کی تائید ساتھ ہوتی گئی۔ کچھ حصہ منظوم ترجمہ لکھنے کے بعد میں نے جب ہندوستان کے مختلف علماء کرام کے سامنے رکھا ترجمہ کے اسلوب اور انداز نگارش کو سراہا اور اپنی موقر تقریظات سے نوازا۔ یہ کام ابھی جاری ہے۔ گردش احوال سے خلاصی اور زیست کے چند تقاضوں کی تکمیل فضل ایزد تعال سے ہوجائے تو کنجِ تنہائی میں بیٹھ کر خدمت انجام دینے کا بھرپور عزم دل میں رکھے ہوئے ہوں۔ خداوند قدوس مجھ ہیچ مداں سے یہ خدمت لے لے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین۔

(افسوس کہ رؤف قاسمی نازش کی عمر نے وفا نہ کی یہ کام تکمیل کو نہ پہونچ سکا۔ انشاء اللہ جو کچھ بھی منظوم

ترجمہ کا کام انہوں نے کیا ہے بہت جلد ہم اسے بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کریں گے)

چند نمونہ کلام پیش کرتا ہوں۔ پہلے نعت رسول کے چند چیدہ چیدہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

محمد مصطفےٰ مجموعۂ افضال ربانی
ز سر تا پا مجسم معنئ آیاتِ قرآنی

وہ امی جس نے بخشے ہیں خزانے علم و حکمت کے
عطا کی زندگی کو دانشِ حق کی فراوانی

حرم کی آرزو ہے اور میں ہوں
نبی کی گفتگو ہے اور میں ہوں
ہر اک غنچہ امیدِ زندگی کا
طلبگار نمو ہے اور میں ہوں
پئے نعتِ شہِ کونین نازشؔ
زبانِ با وضو ہے اور میں ہوں

ارضِ بطحا کی خاک لایا ہوں
ہدیۂ نعتِ پاک لایا ہوں
یادگارِ جنونِ عشقِ رسول
چند سینے کے چاک لایا ہوں
دیدۂ شوق میں چھپائے ہوئے
جلوۂ تابناک لایا ہوں

امیدوارِ عطائے حضور میں بھی ہوں
اس آرزو میں سراپا سرور میں بھی ہوں
کہوں گا میں بھی قیامت کی بھیڑ میں نازشؔ
حضور میں بھی ہوں میرے حضور میں بھی ہوں ہو

نمونۂ تغزل

نہ دل لگی کی نہ دل کی لگی کی بات کرو
دیا ہے جس نے غمِ دل اسی کی بات کرو
بہت دنوں سے خرد ہے زوال آمادہ
جنوں کا ذکر کرو بے خودی کی بات کرو

آرزو یہ ہے ہماری دہر سے اٹھنے کے بعد
ہم رہیں خاموش دنیا بھر میں افسانہ چلے

مل گیا بحر طلب میں شوق کا ساحل مجھے
جب نظر آنے لگے ہیں وہ قریبِ دل مجھے
بخش دینا ان کو بھی کوئی دلِ درد آشنا
جب دیا تھا درد کی تصویر یارب دل مجھے
آخری دم ہے مگر لب ہے شکایت ناشناس
ہمت دل کی تو کوئی داد دے قاتل مجھے

میرے رفقائے مخلصین میں چند وہ اسمائے گرامی جنہیں میں تاعمر فراموش نہ کرسکوں گا۔

مولانا مولوی اظہار الحق قریشی اودگیری، مولوی عبدالباسط عثمان آبادی، مولوی سید ظفر علی کنڈ لواڑی، مولوی سید رشید علی جے پوری، مولوی شیخ خالد امام ونپرتی، مولانا سید احمد اللہ بختیاری، مولوی محمد یونس افریقی، مولانا ذوالفقار علی گوالیاری، مولانا مولوی محمد ولی اللہ رشادی وانمباڑی، مولانا مولوی محمد سلیم صاحب کدری، مولوی عطاء الرحمٰن نانڈیڑی، مولوی مجیب الدین قادری، مولوی قاری عابد مظفرنگری، مولوی مفتی عبدالوہاب فیضی نیلوری، مولوی شاہین جمالی چمپارنی، مولوی محمد فاروق القاسمی کراچی، مولوی عبدالرشید قندھاری، مولوی تشنہ اعجاز بگہاوی اور مولوی منیر احمد کاشمیری وغیرہم۔ فجزاہم اللہ خیرالجزاء۔

نیازمند
رؤف احمد قاسمی نازشؔ حیدرآبادی

تقریظ

حضرت مولانا سید رشید علی قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

صاحبِ بیاض سے میرا تعلق از حیات تا ممات رہا۔انہوں نے علوم شرعیہ کی تکمیل کے بعد اس کی تنفیذ بصورت تدریس اور اصلاح امت اسلامیہ بصورت خطابت و امامت فرمائی۔ مگر ان تمام صلاحیتوں کی تہہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور وہبی لدنی صلاحیت عطا کی تھی، جس نے انہیں ایک ممتاز و منفرد شاعر بنایا اور ملک و بیرون میں ''نازشؔ حیدرآبادی'' کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ یہ بیاض انہیں کے مجموعۂ نعت وغزل پر مشتمل ہے۔

نازشؔ واقعتاً وحقیقتاً نازش الشعراء کہلانے کے مستحق ہیں، ان کے اس مجموعہ کلام کو کتابی شکل میں دیکھ کر آنکھوں کو نور اور پڑھ کر دل کو سرور حاصل ہورہا ہے۔ کاش کہ یہ ذاتِ عنقاء ہمارے درمیان اور رہتی اور ان کے خزینہ کملاتِ علم وفضل سے ہم سب اپنا دامن بھرتے اور اس درِ منظور کو چن چن کر ہار بناتے اور اپنے گلے کی زینت بناتے ''وما تشاءون الا ان یشاء اللہ'' بس ان کی یادوں اور ان کی باتوں کو زندہ رکھنے کا یہی ایک وسیلہ ہے کہ ان کے کلام کو بار بار پڑھا جائے، اور ان کے درجاتِ اخروی کی بلندی اور ان کی مغفرتِ تامہ کے لیے ان کے تمام وابستگان ہمہ وقت دعا گو ہوں۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

یکے از آب دیدۂ غمِ نازش

ہم عصر وہم سفر

سید رشید علی قاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند

مقیم حال شہر بنگلور

مورخہ: 10/03/2021

تقریظ

حضرت حافظ عزیز احمد قاسمی (فاضلِ دارالعلوم دیوبند)

میرے بڑے بھائی رؤف احمد نازشؔ نے دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانے میں ہی نعتیہ کلام کا مجموعہ بنام ''محسنِ کونین'' شائع کیا، جو مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور طلباء میں بہت مقبول اور پسند کیا گیا۔ دوسرا بہت بڑا کام جو ہر عالم یا شاعر کی بس کی بات نہیں، قرآن کریم کی منظوم تفسیر تھی، کئی سالوں کی محنتِ شاقہ اور فضلِ ربی سے کئی پارے مکمل بھی کر چکے تھے۔ اب تیسرے نمبر پر ''بیاضِ نازشؔ'' حمد و نعت اور غزلیات کا مجموعہ منظرِ عام پر آرہا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بھائی نازشؔ کو زبانِ اردو سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔

میں جب 2010 میں دارالعلوم نیویارک میں مدرس تھا اس وقت مفتیٔ اعظم امریکہ جناب مفتی منیر احمد خان اخونؔ جو پاکستانی ہیں اور تا حال امریکہ کے مفتیٔ اعظم ہیں، جن کا مدرسہ اور دفتر نیویارک میں ہے، ان سے میں نے بھائی نازش کے منظوم تفسیر لکھنے کی بات کہی اور سورہ فاتحہ کی منظوم تفسیر سنائی تو بے حد خوش ہوئے اور دعائیں دیتے ہوئے کہا، اللہ ان سے بہت بڑا کام لے رہا ہے، خدا کرے وہ مکمل ہو جائے۔ بھائی نازش کا نعتیہ کلام ترنم آواز میں پڑھنا بھی خدا کی دین سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ ''بیاضِ نازش'' شعری مجموعہ قاریوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا اور مقبولِ عام ہوگا۔

دعا گو
حافظ عزیز احمد قاسمیؔ
فاضل دارالعلوم دیوبند
سابق خطیب و امام مسجد سرمبان ملیشیا

کلامِ نازشؔ کا مطالعہ

ساجد حسین ندوی

(اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، نیو کالج، واڈیٹر ماہنامہ، پیام سدرہ، چینئی)

''بیاضِ نازش'' میں چراغ سے چراغ روشن کرنے کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ کیوں کہ رؤف احمد قاسمی نازشؔ حیدرآبادی کے پردادا، دادا اور خود والدِ محترم شاعر تھے۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے نازش حیدرآبادی نے شعری اظہار کا فریضہ انجام دیا ہے۔ میر انیس نے کہا تھا '' پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں''۔ نازشؔ حیدرآبادی کے لیے میر انیس کی طرح ''طنطنہ آمیز لہجہ' تو مناسب نہیں رہے گا، تاہم وہ بھی بجا طور پر کہہ سکتے ہیں ''چوتھی نسل ہے ادب کی سیاحی میں''۔

نازشؔ حیدرآبادی کی ذہنی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی جس پر دنیا بیزاری اور تعلق مع اللہ کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کے معاملات گہرے ہوتے ہیں۔ یا پھر دنیا کو دیکھنے کا نظریہ مختلف ہوتا ہے۔ اس اعتراف کے ساتھ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ تخیل سرحدوں میں قید نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے ''جہاں نہ پہنچے روی، وہاں پہنچ جائے کوی''۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تخلیق کار کی پرورش خواہ جس ماحول میں ہو، وہ فکر کے پروں پر محو پرواز ہوتا ہے اور نئی نئی دنیا کی سیر کرآتا ہے۔ جہاں تک نازشؔ حیدرآبادی کا تعلق ہے، ان کی ذہنی تربیت اسلامی ماحول میں ہوئی، مگر اس کے ساتھ ان کے خانوادے میں شعروشاعری کا سلسلہ تھا۔ اس طرح گویا ان کے یہاں تخیل بھی سلسلہ در سلسلہ ہے۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے دیکھنے کا انداز منفرد ہوگا۔ ان کے سمجھنے کا انداز مختلف ہوگا۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے دنیا بیزاری کے معاملات کو فقط اندرونِ خانہ سے نہیں جوڑا بلکہ بازار میں اتر کر تعلق مع اللہ کا غیر محسوس طریقے سے درس دیا ہے۔ اس لیے ان کی شاعری میں ڈھنڈورچی کا احساس نہیں ہوتا ہے، مقصدیت کا غلبہ ضرور ہے، تاہم فنی اور اسلوبیاتی سطح پر ایک جدت کا احساس بسا ہوا ہے۔

نازشؔ حیدرآبادی نے اپنی شاعری میں نہ زاہدِ خشک ہونے کا ثبوت دیا ہے اور نہ ہی دنیوی معاملات کو فوقیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ انھوں نے بین بین کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ایک ایسا اسلوب خلق کیا جس میں شاعرانہ پرواز ہے اور زاہدانہ معاملات بھی۔ ذیل میں ان کے چند اشعار کی روشنی میں ان کی شاعرانہ انفرادیت کی جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے:

نہ دل لگی کی نہ دل کی لگی کی بات کرو
دیا ہے جس نے غمِ دل اسی کی بات کرو
بہت دنوں سے خرد ہے زوالِ آمادہ
جنوں کا ذکر کرو بے خودی کی بات کرو

ان اشعار میں نازشؔ حیدرآبادی نے عشقیہ لَے کے ساتھ دل کا مدعا اور زندگی کا اصول بیان کردیا ہے، جس میں عشقِ حقیقی اور مجازی کا ادغام نظر آتا ہے۔ ''جس نے دیا ہے غمِ دل اسی کی بات کرو'' گویا یادوں کی جڑیں مضبوط کرنا ہی زندگی کا ماحصل ہے۔ ''غمِ دل'' دینے والا کوئی حقیقی معشوق ہوسکتا ہے اور مجازی بھی۔ اسی طرح نازشؔ نے ذیلی معاملات کو ترک کرنے کی وکالت کی ہے اور مطلب سے ہی مطلب رکھنے کا مدعا بیان کیا ہے۔ بڑے ہی آسان اسلوب میں انھوں نے ماحصل سے انسلاک کی بات کی ہے۔ اگر دوسرے شعر کی بات کریں تو اس میں طنزیہ کیفیت کا اظہار ہو رہا ہے کہ عقل وخرد زوالِ آمادہ ہے۔ ایسی صورت میں اچھی بات تو ممکن ہی نہیں مگر اس مصرعے کی گہرائی میں اترنے سے معنی بدل جاتے ہیں کہ عشق میں عقل وخرد کا کیا کام ہے۔ جنون اور جذبات ہی جذبات ہوتے ہیں۔ عشق میں مبتلا شخص عقل وخرد کی بات کم ہی کرتا ہے۔ نازشؔ حیدرآبادی نے پہلے تو یہ کہہ دیا کہ عاشق عقل وخرد کا ثبوت تو نہیں دیتا، مگر چوتھے مصرعے میں کہہ رہے ہیں کہ خودی کی بات کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عاشق جب عشق کے اعلیٰ درجے پر پہنچتا ہے تو اس کی دنیا الگ ہوجاتی ہے اور وہاں خودی کے اظہار کے مواقع ہوتے ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو اس شعر میں معنویت ہی معنویت ہے۔ علامہ اقبال کی خودی معنویت سے لبریز ہوتی ہے۔ اسی خودی سے نازشؔ حیدرآبادی نے عشق کا رشتہ جوڑنے کی

کامیاب کوشش کی ہے۔

روئیں گے بھی تو روئیں گے داؤد کی لے میں
''نالے بھی کریں گے تو خوش آہنگ کریں گے''

نازشؔ کے شعری مذہب میں آہ وفغاں جائز ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ روئیں گے ضرور، تاہم رونے اور آہ وفغاں کا انداز جداگانہ ہونا چاہیے۔گویا اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں رائج اصول کو انھوں نے یک لخت مسترد نہیں کر دیا بلکہ اس میں نیا رنگ وآہنگ پیدا کرنے کی تلقین ہے۔ ساتھ ہی اس شعر پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ''لحنِ داؤدی'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے شعر میں تلمیح کا استعمال کیا ہے۔

سچی بات ہے کہ نازشؔ حیدرآبادی کی شاعری میں زمانے کی شکست وریخت کے ساتھ اسلامی تلمیحات بھی ہیں۔انھوں نے دانستہ اپنی شاعری کو سوقیانہ پن سے بچایا ہے اور تاریخی، تلمیحی اور استعاراتی نظام سے اپنے کلام کو قریب کر دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نازشؔ حیدرآبادی کی شاعری سے مکمل طور پر حظ اٹھانے کے لیے اسلامی تاریخ وتلمیح پر نظر رکھنا ضروری ہے۔کیوں کہ انھوں نے سادہ انداز میں تلمیحات سے کام لیا ہے، ظاہر ہے تلمیحی معاملات سے معانی ومفاہیم اسی وقت برآمد ہوں گے جب قاری کسی نہ کسی سطح پر ماقبل کے واقعات سے آگاہ ہو۔

الغرض نازش کی شاعری نالہ وفریاد، طنز وتعریض اور حقیقی اور مجازی معاملات سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔

ساجد حسین ندوی

پہچان!

ہم اپنے چہروں سے پہچانے نہیں جاتے، کیونکہ انہیں تراشنا ہمارے بس کی بات نہیں، ہم اپنے لباس سے بھی نہیں پہچانے جاتے کیونکہ یہ چھن چھناتے ہوئے سکوں سے حاصل ہوتے ہیں، ہم مال و دولت، جاہ وحشمت سے بھی نہیں پہچانے جاسکتے کیونکہ یہ عارضی چیزیں کبھی ساتھ نہیں دیتیں، یہ آج ہمارے پاس ہیں تو کل کسی اور کے پاس۔

ہماری پہچان کا واحد ذریعہ ہمارے اخلاق و کردار ہیں، ہمارے وہ افکار واحساسات ہیں اور خیالات و جذبات ہیں جو روح کی گہرائیوں سے ابھرتے ہیں اور دل و دماغ کی راہیں ہموار کرتے ہوئے، روشن کرنوں کی مانند ہمارے اردگرد کی چیزوں کو منور کرنے کے لیے آنکھوں کی چلمنوں سے چھن چھن کر باہر آتے ہیں اور ہم انہیں قلم کی جنبش سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیتے ہیں تاکہ دوسرے بھی ان سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

محض جسم انسان نہیں بلکہ انسان کی پہچان ذہن سے ہوتی ہے۔ جسم خاک کا حصہ ہے بن جاتا ہے، جبکہ شعور کے نقوش زندہ رہ جاتے ہیں۔ یہ شعور ہی ہے جو دوسرے اذہان تک پہونچ کر زندہ رہتا ہے اور انسان کی پہچان قائم رہتی ہے۔ اس کا شعور ادبی تخلیق کے روپ میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

بعض انسانوں کی شخصیت میں ایسی تابندگی ہوتی ہے جو خود ان کی شناخت کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے اور ایسے لوگوں کو ان کی موت کے بعد پہچانا جاتا ہے۔

انتساب

مرحوم والدین کی یادوں کے نام

جنہوں نے مقدس رشتوں کی پہچان عطا کی

والدین کی محبت وشفقت، عنایات وجذبات ومحنت، حوصلہ وہمت کو ہم لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے۔ ماں اگر بنیاد ہے تو باپ اس بنیاد کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔ والدین کی والہانہ، بے لوث اور بے غرض محبت تحفظ کا احساس ہے۔ والدین دنیا کی سب سے عظیم نعمت ہیں۔ والدین کی جدائی اولاد کے لیے ایک دل دہلانے والا سانحہ ہے جس کی شدت کو وہ زندگی کے ہر واقعہ اور ہر معاملے میں محسوس کرتا ہے۔ والدین کی موت اولاد کے لیے بہت بڑا اسبق اور عبرت ہے۔

ماں نہ ہو تو دل کو دلاسہ دینے والا کوئی نہ ہوتا اور اگر باپ نہ ہو تو زندگی کی دوڑ میں اچھا مشورہ دینے والا کوئی نہ ہوتا۔

ماں زندگی کی تاریک راہوں میں روشنی کا مینارہ ہے اور باپ ٹھوکروں سے بچانے والا مضبوط سہارا۔

اگر ہم ستر سال تک خانہ کعبہ کا طواف کر کے اس کی نیکیاں اپنے والدین کو ہدیہ کرتے رہیں تب بھی ہم ان کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

اللہ نے اپنی خوشی والدین کی رضامندی اور خوشی میں رکھ دی ہے۔ اللہ پاک نے ماں کو ایسا رتبہ دیا کہ ماں کو مسکرا کے دیکھنا عبادت بنا دیا۔

اترنے ہی نہیں دیتی مجھ پہ کوئی آفت
میری ماں کی دعاؤں نے آسماں کو روک رکھا ہے

پیش لفظ

آج کی اس مادی دنیا میں جہاں انسانوں کی اکثریت اپنی خواہشات کی تکمیل میں اندھی ہوتی جارہی ہے۔ایسے ماحول میں اپنی پوری زندگی دوسروں کی خدمت کے لیے وقف کردینا کسی عظیم کارنامے سے کم نہیں۔کچھ ایسے ہی خدمت گذار شخصیت میرے والد محترم و معظم جناب مولانا قاری رؤف احمد قاسمی نازشؔ حیدرآبادی کی تھی۔جن کی وفات سے ہر کوئی غمزدہ نظر آیا اوران کی چاہت میں نہ صرف انتہائی دکھ کا اظہار کیا بلکہ ان کی علمی وادبی کاوش اور مخلصانہ خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔

ہر انسان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو وفات کے بعد بھی اپنے کارناموں کے سبب سے زندہ جاوید رہتے ہیں۔والد محترم انہیں شخصیات میں سے ایک تھے۔اگرچہ آج ان کے انتقال کو تقریباً چھ سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا ہے،لیکن آج بھی وہ اپنے کارناموں اور مخلصانہ خدمات کی وجہ سے زندہ ہیں اور رہیں گے۔

اللہ تعالی نے والد مرحوم کو غیر معمولی ذہانت عطا کی تھی۔وہ بچپن ہی سے علم و مطالعے کے شوقین تھے۔ان کا یہ معمول تھا کہ مطالعہ کے لئے جو بھی کتاب ہاتھ لگتی اسے ختم کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔ہم نے انہیں جب بھی انہیں دیکھا لکھتے پڑھتے اور غور وفکر کرتے پایا۔ان کا دل خدمت خلق کے جذبہ سے معمور تھا۔وہ اپنے روزمرہ کے مشاغل کو تندہی سے انجام دیتے۔زیادہ تر سفر میں رہتے اور سفر کو ہمیشہ وسیلۂ ظفر کہا کرتے تھے۔طبیعت میں بہت سادگی تھی۔ نام ونمود اور بے جا شہرت سے دور بھاگتے تھے۔قناعت،فیاضی اور نرم دلی کی دولت سے مالا مال تھے۔

چار چٹنیوں پر آٹھ آٹھ دن گزارا کرتے،بغیر بجلی کے گھنٹوں پسینے میں شرابور لوگوں کی داستان الم سنتے رہتے اورانہیں سلجھانے کی کوشش کرتے رہتے۔جب بھی بات کرتے تو خیر کی بات کرتے۔بھوک و پیاس سے بے نیاز اپنے کام میں اس قدر منہمک اور مگن رہتے کہ ہماری آمد پر بھی ان کے چہرے پر شناسائی کی ہلکی سی رمق تک نہیں ابھرتی تھی۔

ابا حضور امام وخطیب،قاری،عالم وفاضل تو تھے ہی ساتھ وہ اردو کے ایک قادرالکلام شاعر بھی تھے۔شاعری کے میدان میں ان کے تخیل کی پرواز بلند تھی۔صوبہ آندھرا پردیش کے شہر نیلور نے انہیں ’’تاج الشعراء‘‘ کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔جنوبی ہند کے تقریباً تیس سے زائد مدرسوں میں اپنا کلام ’’نظم برائے جلسہ‘‘ پیش کیا اور ترانے لکھ کر ان کو اپنی آواز کا ترنم بخشا۔آج وہ ترانے ان مدرسوں میں

ان ہی کے ترنم میں پڑھے جاتے ہیں۔ مرثیہ لکھنے پڑھنے میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ ایسے دل گداز انداز میں پڑھتے تھے کہ محفل میں رقت طاری ہو جاتی تھی۔ بالخصوص نعت نبی پڑھنے کا ایسا دلکش اور دلنشیں انداز تھا جیسے موتیوں لڑی پروئی ہوئی ہو۔ حب نبی میں ڈوبی اپنی مترنم اور پرسوز آواز کی تان سے محفل میں ملکوتی سکوت اور وجدانی کیفیت پیدا کرنے میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ نعت کے ہر مقطع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا ایک سچا عاشق رسول ہی نہیں، بلکہ آپ کی محبت میں بار بار جینے اور مرنے کا آرزومند ہے۔

آپ نے شاعری کے ہر میدان میں ایک معرکہ سر کیا ہے۔ آپ کا دیوان ڈھائی سو غزلیات، حمد، نعت، قطعات، مرثیے، تہنیت، لوری، نظم، گیت اور ترانہ وطن پر مشتمل ہے۔

مرثیہ تو مرنے کے بعد لکھا جاتا ہے، مگر والد محترم اپنی زندگی میں ہی اپنا مرثیہ لکھا۔ جن میں سے چند اشعار آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔

توڑنے جب ثمر گیا نازشؔ — ایک گڑھے میں اتر گیا نازشؔ
ٹوٹے ارماں نارسا آہیں — لے کے زادِ سفر گیا نازشؔ
وہ تو اب تک یہیں پہ بیٹھا تھا — دیکھو دیکھو کدھر گیا نازشؔ
وہ ہنساتا تھا پل میں روتوں کو — لے کے اپنا ہنر گیا نازشؔ
آیئے ساتھ پھر نہ یہ کہنا — وعدہ کر کے مکر گیا نازشؔ
مرثیہ پڑھتے ہیں گل و بلبل — آج سنتے ہیں مر گیا نازشؔ
کون تھا کیا تھا کیوں تھا سب پہ کھلا — جب جہاں سے گذر گیا نازش
اب اندھیروں کا کوئی خوف نہیں — ساتھ لے کر قمر گیا نازشؔ

''بیاضِ نازش'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں جو شعری مجموعہ ہے یہ والد محترم کی برسوں کی محنت اور ان کی دیرینہ خواہشات کی تکمیل ہے۔ حیف صد حیف کہ یہ شعری مجموعہ ان کی زندگی میں پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکا۔

میں تنہا کلام نازش کو کتابی شکل نہیں دے سکتی تھی۔ میں نے صرف ایک عزم و ہمت کے ساتھ قدم بڑھایا، میرے رفیقِ سفر جناب سید مسعود الحسن صاحب نے میری جانب دستِ تعاون بڑھایا اور میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

میرے ماموں خسر عالی جناب محمد حنیف کاتب صاحب وانمباڑی ایک معزز اور باوقار خاندان

کاتب کے مشہور و نامور فرد ہیں۔علم دوستی اور فہم و دانش کا خزانہ انہیں روثے میں ملا ہے۔اپنی اسلامی بصیرت،قومی سماجی اور معاشرتی خدمات کے لیے وہ ہر طبقے میں پہچانے جاتے ہیں،وہ ایک دردمند دل رکھنے والے،بہترین مصنف اور حساس شاعر ہیں۔میں نے جب میرے مرحوم والد گرامی کا کلام انہیں دکھایا تو وہ بہت متاثر ہوئے اور بیاض نازش کو منظر عام پر لانے کے لیے میری بھرپور رہنمائی کی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔میں بے حد ممنون ہوں و مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں اس کارِ اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

یہ سچ ہے کہ عظیم فنکار کی عظمت اس کے اعلیٰ کردار اور بلند افکار سے ہی متعین ہوتی ہے۔ اس معاملے میں ان کی یہ خوش اخلاقی اور نرم رویے نے نمایاں مقام اور مثبت کردار ادا کیا ہے۔اردو کے فروغ اور بقاء کے لیے ان کی یہ سعی قابل تحسین ہی نہیں بلکہ نئی نسل کے لیے قابل تقلید بھی ہے۔اللہ رب العزت انہیں ایسی ہی تخلیقی توانائی سے معمور اور بھرپور رکھے تاکہ شعر و ادب کے آسمان پر رخشندہ ستارے کی طرح روشن اور سلامت رہیں اور ترقی کی منزل کو پالیں۔

اسی طرح میں ممنون ہوں محترم ساجد حسین ندوی صاحب کی جنہوں نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود مرحوم کی ذات اور ان کی شاعری پر مفصل اظہار خیال فرمایا نیز کتاب کی ترتیب،اس کی کمپوزنگ اور اشاعت میں بھرپور تعاون فرمایا۔میں ان دونوں صاحبان کا دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور اللہ سے دعا گو ہوں کہ اللہ ان کو بہتر بدلہ عطا فرمائے۔آمین

میں سمجھتی ہوں کہ والد صاحب کی شاعری کی معراج،ان کے رچے ہوئے احساسِ جمال،جذبے اور احساس کی دل ربا چاشنی،لہجے کی نرمی،گھلاوٹ اور تہذیبی اقدار کی بازیافت میں ہے۔اور یہی وہ زرخیز اور روشن نقطہ ہیں جہاں وہ اپنے قاری کو روشنی،مسرت اور بصیرت کا خزینہ عطا کرسکتی ہے۔یہی وہ دائرۂ عمل ہے جہاں ان کا فن حسن و لطافت کی انتہا کو چھو کر لطف و انبساط میں ڈھل جاتا ہے۔

میں امید کرتی ہوں کہ والد مرحوم کا یہ شعری مجموعہ سنجیدہ قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرے گا۔اور اللہ سے دعا گو ہوں کہ اللہ اسے مقبول خاص و عام بنائے۔آمین

واللہ الموفق والمستعان

فوزیہ مسعود بنتِ نازش

12/02/2021

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحمید حمید

خاک کا پتلا ہوں میں، وہ عرش اعظم کا مکیں
میں ضعیف و ناتواں ہوں، وہ ہے رب العالمیں

اس کا اسمِ ذاتِ اقدس صرف اک اللہ ہے
اس کے اسمائے صفاتی کی کوئی گنتی نہیں

جو بھی وہ چاہتا ہے کر گذرتا ہے اسے
کام کرنے میں کسی کا مشورہ لیتا نہیں

خالق غیض وغضب میں کس قدر ہوگا غضب
کیسے بچ پائے گا وہ جس پر ہو قہر آتشیں

روز اول ہی میں اس کے طیش وقہر وغیظ کو
رحمتوں کی وسعتوں نے کرلیا زیر نگیں

اس سے بڑھ کر اور کیا ہے اس کی رحمت کی دلیل
اس نے بھیجی ایک ہستی رحمۃ للعالمینؐ

گنگناؤں حمد مولی کا ترانہ رات دن
دم بہ دم بھیجوں درود پاک سوئے مرسلیں

یادِ حق

عمر کی ہر صبح جب تک شام میں ڈھلتی رہے
یادِ حق کی شمع بزمِ روح میں جلتی رہے

سانس کی آمد میں ال ہو اور شد میں لاہ ہو
اس طرح تسبیح اسمِ ذات کی چلتی رہے

طائر لاہوت کی پرواز کو وجہِ خلل
آرزو دنیا کی جب تک قلب میں پلتی رہے

حق کے متوالوں کا جذبہ اور ہوگا تیز تر
دیر میں شیطانیت گو پھولتی پھلتی رہے

ہم قدامت کی روش سے باز آئیں گے نہیں
اہل دنیا کو اگر کھلتی ہے تو کھلتی رہے

آئیں گے بالیں پہ سرکارِ مدینہؐ بالضرور
ان کے آنے تک یہ کہدو موت سے ٹلتی رہے

بندگی کی روح نازشؔ کچھ نہیں اس کے سوا
ذکر مولا میں زباں شام و سحر چلتی رہے

التجا

میں گنہگار گنہگار بڑا ہوں مولیٰ
تیری چوکھٹ پہ فقیرانہ کھڑا ہوں مولیٰ

مُطْمَئِنَّہ تو بنا دے میرے لوّامہ کو
نفس امّارہ سے دن رات لڑا ہوں مولیٰ

خشمگیں چشم سے اک لمحہ بھی دیکھے جو مجھے
ٹوٹ بکھروں گا کہ مٹی کا گھڑا ہوں مولیٰ

قرۃِ چشمِ محبت سے مجھے کردے نہال
قہر کی دھوپ میں عرصے سے پڑا ہوں مولی

چشمِ رحمت سے مجھے ایک نظر دیکھے گا
اسی امید پہ محشر میں کھڑا ہوں مولیٰ

بخش دے نازشؔ عاصی کو تو ہو تیرا کرم
اپنے اعمال سے دوزخ کا گڑھا ہوں مولیٰ

سلام بحضور سرورِ کونین ﷺ

ازل سے تا ابد محترم سلام علیک
رسول پاک کے نقش قدم سلام علیک

کلی کلی میں تری سینکڑوں بہشتیں ہیں
شگفتہ رنگ ریاضِ حرم سلام علیک

خوشا وہ ارض مقدس کے جس میں ملتا ہے
مزاجِ صاحبِ لوح و قلم سلام علیک

کلام پاک میں پروردگار عالم نے
تمہارے نام کی کھائی قسم سلام علیک

قسیمِ دولتِ یزداں امیرِ بزمِ رسل
عطا بدست مجسم کرم سلام علیک

حضور کی ہی کی بدولت خدا کا گھر ہے وہی
بنا ہوا تھا جو بیت الصنم سلام علیک

یہی ہماری تمنائے دل ہے نازشؔ
کہیں روضۂ اقدس میں ہم سلام علیک

نعت

حدیثِ معتبر

مقدر اوج پر ہے اور میں ہوں
مدینے کا سفر ہے اور میں ہوں

ہر اک ذرہ جو ارشادِ دیں کا
چراغ رہ گذر ہے اور میں ہوں

مجھے اپنی خبر سے واسطہ کیا
فقط ان کی خبر ہے اور میں ہوں

مدینہ ہی مدینہ ہے نظر میں
یہ اعجازِ نظر ہے اور میں

زبانِ شوق ہے نام نامی
حدیثِ معتبر ہے اور میں ہوں

مسلسل شوق نعت پاک نازشؔ
مسلسل مدینہ ہے اور میں ہوں

نعت

ہے یہی دل کی آرزو سوئے حرم سفر کروں
سجدۂ چشمِ شوق سے عظمت سنگِ در کروں

دیدۂ تر سے خونِ دل خاکِ حجاز تک بہے
گوہر اشک عشق کو شامل رہ گذر کروں

دیکھ کے روضۂ حضورِ جان سپردِ مرگ ہو
کاش حدیثِ آرزو میں یونہی مختصر کروں

سازِ نفس پہ نغمۂ روحِ اویسؓ چھیڑ کر
روضے کی جالیوں کے پاس رقصِ بہرِ نظر کروں

وردِ زباں ہو نامِ پاک دل میں ہو جذبۂ سلام
عرشِ عظیم تک بلند نعرۂ معتبر کروں

نازشؔ نعت گو یہی حسرتِ عشق ہے مری
شام و سحر کی زندگی جاکے وہی بسر کروں

وفائے دل

مرے قلب و روح کی زندگی شہہ دو جہاں کا خیال ہے
جو مرے شعور کا حسن ہے وہ انہیں کا عکسِ جمال ہے

کبھی خندہ لب کبھی چشم نم یہ عجیب سا مرا حال ہے
یہ مراد جذبۂ عشق ہے وہ مرادِ شوقِ وصال ہے

جو جھکا کے سر کو نظر اٹھی تو بصد نوازشِ کبریا
بخدا نگاہ کے سامنے وہی جان حسن و کمال ہے

غمِ عشقِ احمدِ مصطفیٰ درِ فیض سے جنہیں مل گیا
نہ انہیں نشاطِ عروج ہے نہ انہیں ملالِ زوال ہے

وہ ملیں تو ان کے حضور میں کوئی نعتِ پاک ہو اور میں
یہی نازشِ الم آشنا مرے جذبِ دل کا سوال ہے

عالمِ تبریک

اللہ اللہ ان کے ذکر وشغل کی تنہائیاں
روح نے محسوس کیں جبریل کی پرچھائیاں

مرہم دیدِ رسالت اس قدر ملتا گیا
زخم جاں کی جس قدر بڑھتی گئی گہرائیاں

رمزِ سُبۡحَانَ الَّذِیۡ أَسۡرٰی ہے کیا اس کے سوا
بعد نے کیں قرب کی منزل میں بزم آرائیاں

جب قدم اٹھا شبِ معراج لوحِ عرش پر
گونج اٹھیں عالمِ تبریک میں شہنائیاں

ہم کہاں اور ان کے ذکرِ پاک کی محفل کہاں
ہیں یہ سب ان کی توجہ کی کرم فرمائیاں

نعت لکھتے وقت نازش آپ سے میں کیا کہوں
کس قدر پائیں تخیل نے حسیں گہرائیاں

پاسبانِ آدمیت

خوش زباں خوش صفات ہے اردو
جوہر کائنات ہے اردو

مرتے دم تک نہ مجھ سے چھوٹے گی
میری جانِ حیات ہے اردو

زندگانی کی ترجماں ہے یہی
آدمیت کی پاسباں ہے یہی

ساری دنیا جسے سمجھتی ہے
وہ محبت بھری زباں ہے یہی

قدرِ اردو ہے با کمال کرو
اس کو محفوظِ ہر زوال کرو

کیا ہے اس کی بلندیوں کا مقام
روحِ چکبست سے سوال کرو

فارسی نے لہو سے پالا ہے
برج بھاشا نے اس کو ڈھالا ہے

فرقہ بندی کا ہے وہی دشمن
اس کی خدمت جو کرنے والا ہے

نہ تو ہندو کی داستان ہے یہ
نہ مسلماں کی زبان ہے یہ

جذب ہے جس میں عالمِ کامل
زندگی کا وہی جہان ہے یہ

جسم انسانیت کی چولی ہے
بات واضح یہ سب پہ ہولی ہے

ربطِ باہم کے واسطے نازشؔ
سب کی بولی ہماری بولی ہے

شان اس کی نہ کم ذرا ہوگی
موت سے بھی نہ یہ فنا ہوگی

غزل

لکھتا ہوں یہ کلام میں حمد وثنا کے بعد
سرکار دوجہاںؐ پہ درودِ رسا کے بعد

کونین میں نہیں مرے محبوب سا کوئی
وہ تو خدا نہیں ہے مگر ہے خدا کے بعد

ان کی توجہات رہی ہیں مری طرف
قبلِ قضا ہیں اور رہیں گی قضا کے بعد

کرتا ہوں اس نگار پر میں جان و دل نثار
ھوّز کی ہا ملایئے **حطّی** کی طا کے بعد

جلوہ نہیں، مجھے مرا محبوب چاہیے
'اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

لے دے کے ایک دل ہی متاعِ حیات تھا
سینے کا گھر ہے خالی مرے دل ربا کے بعد

او کشتۂ خرد نہ یوں شیخی بگھار دیکھ
ہے ابتدائے عشق تری انتہا کے بعد

انسانیت ہے اصل میں شرم و حیا کا نام
انسان ہے حیا سے تو حیواں حیا کے بعد

چاہے کمی ستم میں تو ارشاد یہ ہوا
آتا ہے پورا لطف وفا کا جفا کے بعد

حاسد حسد کی آگ میں جلتا ہے رات دن
کم ہے اسے ہر ایک سزا اس سزا کے بعد

اک انقلاب نو کا ابھی انتظار ہے
''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد''

نازشؔ کبھی وہ مجھ پہ ترس کھائیں گے ضرور
اس کیفیتِ کشمکش و ابتلا کے بعد

اک چاند آسماں پہ ہے اک میرے گھر میں ہے
اک دل میں ہے بسا ہوا اور اک نظر میں ہے

طائرؔ! وہ دیکھ منزل مقصد ہے سامنے
ہمت اڑ ان کی جو ترے بال و پر میں ہے

غم اور عشق کا کہیں ہوتا نہیں نصاب
علمِ رمل میں ہے نہ یہ علمِ جفر میں

انساں کی زندگی میں ہے تقدیر جب امام
پھر جستجو یہ کیا تری نفع وضرر میں ہے

دورِ ترقیات میں اخلاق کا ہے قحط
ہر جستجو کا راستہ قعرِ سقر میں ہے

کر لے گوارا تو بھی کبھی زحمت قدوم
بے سقف ایک خانہ تری رہگذر میں ہے

آنکھوں سے کوچ کرکے وہ اب دل میں آبسے
دولت ایک خاص تھی وہ گھر کی گھر میں ہے

جب زندگی سفر ہے تو اسباب بھی ہو کم
حکمِ صلاۃِ قصر بھی نازشؔ سفر میں ہے

رکھتے ہیں سب کا درد بقول امیرؔ ہم
''سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے''

ہوش میں رہ، نہ دکھا جوش مرے دل نہ مچل
میرے محبوب کی نگری ہے ذرا دیکھ کے چل

پتلیاں تیرتی ہیں اشک کے سیلاب میں یوں
جس طرح تیرتے ہوں جھیل کے پانی میں کنول

عمرِ بے کیف میں اب کیف سا پایا میں نے
اجنبی سے جو کسی بات ہوئی ایک دو پل

اہلِ دل مانتے ہیں مشورہ میرا دل سے
عقل میں ہو تو ہو لیکن نہیں کچھ دل میں خلل

جن کو ہنس ہنس کے ہلاکِ ستمِ خاص کیا
اَے ستمِ کیش تو ان پر کفِ افسوس نہ مل

کر دیا تو نے تو کل پیشِ عدو خوار و ذلیل
آج کہدے نہ کہیں چل تو میرے گھر سے نکل

ابرہہ بن کے نہ ڈھا کعبۂ دل او ظالم
عصف ماکول نہ ہوجائے ترا کید یہ بل

میرے شہکار کی دو دادِ نظر ہم وطنو!
یہ تغزل ہے تصور کا حسین تاج محل

جب سے تری نگاہ کا منظور ہوگیا
خود اپنے آپ ہی پہ میں مغرور ہوگیا

دیکھا تھا اس نے یونہی دل زار کی طرف
اتنی سی بات ہی پہ میں مشکور ہوگیا

ان کے تصورات نے پیچھا کیا میرا
ان کی نگاہ سے جو کبھی دور ہوگیا

جب ان سے تھا قریب تو خود سے قریب تھا
دور ان سے ہو کے خود سے بھی میں دور ہوگیا

حسن کرشمہ ساز کا عالم تو دیکھئے
اتنا عیاں ہوا ہے کہ مستور ہوگیا

مضمونِ عشق ایک ہے عنواں جدا جدا
''مجنوں کوئی بنا کوئی منصور ہوگیا''

نازشؔ مری حدیثِ وفا سن کے بزم میں
مغموم کوئی اور کوئی مسرور ہوگیا

عشق کی راہ پر چلنے والوں عشق کوئی منزل نہیں ہے
راہ میں تھک کے جو بیٹھ جائے اس سفر کے وہ قابل نہیں ہے

ڈوبنے کی نہ کچھ فکر فرما تو سفینہ بڑھائے چلا جا
غم کے دریا میں خضرِ محبت صرف طوفاں ہیں ساحل نہیں ہے

میرے دل کی طرف خدارا کوئی چشمِ کرم کا اشارا
میری مشکل کو آسان کرنا تیری نظروں کو مشکل نہیں ہے

ان کے چہرے سے جلوے چرا کر جگمگاتا ہے دنیا کو شب بھر
سب یہ اہل نظر جانتے ہیں خود حسیں ماہِ کامل نہیں ہے

مجھ سے بے سود تم پوچھتے ہو میرے افسانۂ زندگی کو
میرے سینے میں مدت سے یارو زخم ہی زخم ہیں دل نہیں ہے

میری بالیں پہ اشکِ ندامت کیوں بہاتا ہے جان محبت
میرے دل نے مجھے مار ڈالا میرے دل کا تو قاتل نہیں ہے

آرزوئے کرم ان سے نازشؔ سخت تو نہیں ضبطِ دل کی
زخمِ جاں کے سوا زندگی میں عشق کا کوئی حاصل نہیں ہے

حاوی ہوئی ہے مجھ پر اس طرح تیری ہستی
مجھ کو پکارتے ہیں سب تیرا نام لیکر

کچھ عرضِ مدعا کی ہمت مجھے کہاں تھی
منھ اپنا پھیر بیٹھے میرا سلام لیکر

دردِ تہہِ صراحی ہی ڈالکر چلا جا
بیٹھا ہوا ہوں کب سے میں خالی جام لیکر

چھا رزمگاہِ باطل پر قہر بن کے، یا پھر
محدودِ باغ ہوجا اپنا خرام لیکر

کالے سفید کا اک سودا کریں نرالا
اک تیری صبح دیکر اک میری شام لیکر

جب ہوچکے ہیں عاجز دانشورانِ دنیا
اُمّی اٹھے ہیں عالم کا انتظام لیکر

یہ سینکڑوں برس کی کیسی ہیں آرزوئیں
آیا ہے مختصر سا جب تو قیام لیکر

سب اپنے اپنے مضموں کی داد پاچکے ہیں
نازشؔ اٹھے ہیں دادِ حسنِ کلام لیکر

روئیں گے بھی تو روئیں گے داؤد کی لے میں
''نالے بھی کریں گے تو خوش آہنگ کریں گے''

جو ہاتھ ہیں گلبار کڑی ان پہ نظر ہو
شامل وہی پھولوں میں کبھی سنگ کریں گے

تو یہ نہ سمجھ اسلحہ پاس ان کے نہیں ہے
چشم و لب و ابرو ہی سے وہ جنگ کریں گے

کرنی ہو تو تم جاکے شِوالوں کی کرو سیر
ہم سیر تو بس جاکے لبِ گنگ کریں گے

دو دن کے لیے آ بہ بصدا خانۂ داؤد
ہم زاغ کو بلبل کا ہم آہنگ کریں گے

برق چمکی اور اندھیرا ہوگیا
ان کو یوں دیکھا کہ کچھ دیکھا نہیں

گرم آنسو، سوزشِ دل، آہِ سرد
میں کہ اپنی ذات میں کیا کیا نہیں

حالِ دل کو دیکھ کر کہتی ہے یاد
گھر کا پہلے کی طرح نقشہ نہیں

میری ہستی ہے دلیل اس بات کی
وہ مجھے اک لمحہ بھی بھولا نہیں

اس کے سائے میں ہے میری زندگی
جسم کا جس کے کوئی سایہ نہیں

عندلیبِ دل ہوئی خاموش کیوں
کیا ترے گلشن کا وہ نقشہ نہیں

چشمِ تر سے ان کو دیکھا بارہا
وہ مرے آقا ہی تھے موسیٰ نہیں

سر میں سرمایہ نہ ہو جب تک عشق کا
پھر تو سمجھو سر نہیں سودا نہیں

ہو چکے ہیں بارِ دل سب کل کے یار
ان کو دیکھا تھا مگر پرکھا نہیں

لیجئے دل، زندگانی دیجئے
کیا بھروسہ آپ کو اتنا نہیں

وہ دکھا کر جھلک گیا ہوگا
سارا گھر ہی مہک گیا ہوگا

ڈھونڈتے کیا ہو دل کو سینے میں
اشک بن کر ٹپک گیا ہوگا

یا چمکتے ہی چھپ گیا ہوگا
یا تو چھپ کر چمک گیا ہوگا

تیرا نعرہ لگاکے دیوانہ
دار پر خود لٹک گیا ہوگا

جب سنی ہوگی قُلقُلِ مینا
کوئی پیاسا بھٹک گیا ہوگا

راہِ دشوار کے تصور سے
بے چلے پاؤں تھک گیا ہوگا

بکھری ہوگی کسی کی زلف ادھر
اور ادھر دل بہک گیا ہوگا

دیکھا ہوگا جو مارِ زلفِ دراز
طفلکِ دل لہک گیا ہوگا

ناز نے نیاز کو بلایا ہے
کام کوئی اٹک گیا ہوگا

کوئی شے تھی جو کل گری چھت پر
میوۂ خام پک گیا ہوگا

آپ کیوں تلملائے جاتے ہیں
رند یہی تھا وہ بک گیا ہوگا

صاحب کشف آئے ہوں گے ادھر
اور شیطاں سٹک گیا ہوگا

راہ میں چھوٹے ہوں گے یار سبھی
جذبہ اک دار تک گیا ہوگا

آئی ہوگی کہیں سے چنگاری
خرمنِ دل دہک گیا ہوگا

شور اٹھا تھا رات پچھلے پہر
دل ہی تھا جو بلک گیا ہوگا

جس جگہ بیٹھا تھا وہ کنز نما
خود وہ خطہ ابک گیا ہوگا

مانی ہوگی نہ برہمن کی بھی
شیخ بھی سر پٹک گیا ہوگا

اے زمیں زادہ، وہ ترا نالہ
دفعتاً عرش تک گیا ہوگا

خوب رویا ہے آج دل نازشؔ
اب سلادے کہ تھک گیا ہوگا

تیری محفل سے ہم بادیدۂ پرنم نکلتے ہیں
تجھے تو طیش غیروں پر تھا لیکن ہم نکلتے ہیں

یہ سمجھادے کوئی جاکر محبت کرنے والوں کو
نشاط و کیف کے پردے سے رنج و غم نکلتے ہیں

کہیں حرفِ محبت پر انہیں ٹوکا نہ ہو کوئی
الٰہی خیر اپنے گھر سے وہ برہم نکلتے ہیں

یہ زلفیں آپ کی کچھ کم نہیں راہ محبت سے
کہ سلجھاتے ہیں جتنا اتنے پیچ و خم نکلتے ہیں

شب وعدہ ہے پڑجائے کوئی ماحول پر پردہ
ادھر سے وہ نکلتے ہیں ادھر سے ہم نکلتے ہیں

یہ اہل شہر بھی کرنے لگے حیرت سے سرگوشی
کہ اب تو حضرت نازشؔ بھی گھر سے کم نکلتے ہیں

روز و شب محوِ اشک باری ہوں
نرگسِ موسمِ بہاری ہوں

یہ زمیں سب کو راہ دیتی ہے
ایک میں ہی زمیں پہ بھاری ہوں

روح کہتی ہے رکھ خیال مرا
مرکبِ خستہ کی سواری ہوں

بارہا لٹ چکی ہے یہ دہلی
بھی کہتی ہے میں کنواری ہوں

حقِ انسانیت کا ہوں طالب
ہوں بکر، زید، یا مراری ہوں

حیدرآباد و وانیم باڑی
دونوں مرکب ہیں میں سواری ہوں

دُرّہ بردارِ عدل ہوں نازشؔ
جسمِ باطل پہ ضرب کاری ہوں

زمانے میں بہت سے یوں تو اہل فکر وفن آئے
مگر نازش تری مانند کم اہل سخن آئے

شروحات محبت میں کئی جلدوں میں لکھوں گا
کہ پہلے تو سمجھ میں درس الفت کا متن آئے

تری اچھائی بھی مشہور ہوتی ہے برائی سے
بچالے ذات کو اپنی جہاں تک تجھ کو بن آئے

غرورِ ناز کو باطل کروں گا سوزشِ دل سے
کہ پہلے اس بت طناز پر تو میرا من آئے

مرے جذبِ جنوں، سوزِ دروں کا مرثیہ پڑھنے
جنازے پر مرے اصحابِ دل اربابِ فن آئے

یہ تھی حسرتِ ناکام دل میں مرنے والے کے
لحد پر فاتحہ پڑھنے کو وہ رشکِ چمن آئے

جو کچھ جانا ضروری ہے تو یہ آزارِ دل جائے
جو کچھ آنا ضروری ہے تو آزار بدن آئے

جو تم ملنے نہیں آتے تو یادوں ہی کو آنے دو
نہیں میں چاہتا پائے نزاکت میں تھکن آئے

دہانِ ناز میں دندان کی پیوند کاری کو
ادھر درِ عدن آئے ادھر لعلِ یمن آئے

لکھا خط اس نے، آنا چاہتا ہوں میں تیرے گھر پر
کرے کیوں کر کوئی انکار مجّاناً جو دھن آئے

اسی امید پر بیٹھا ہوں استقبال کرنے کو
ضیاء دینے سیہ خانے کو کوئی اک کرن آئے

رو رہا ہے ایک بت زار و قطار
گر رہا ہے موتیوں کا آبشار

صرف اتنا کہہ کے وہ ساکت ہوئے
دردِ دل ہے آنسوؤں سے آشکار

اس ادا سے ہیں مجھ سے ہم کلام
جیسے بجتا ہو کہیں کوئی ستار

داخلِ دشتِ جنوں ہونے کے بعد
دامنِ ہوش وخرد ہے تار تار

وحشتِ دل ہوگئی ہے پھر جواں
مدتوں کے بعد آئی ہے بہار

کارواں کے چھوٹنے کا غم نہیں
کارواں سے کم نہیں اس کا غبار

کچھ نہ کچھ مفہوم ہونا چاہیے
وہ اشارے کررہے ہیں بار بار

جب کہ پوچھی جائے گی وجہ گناہ
پیش کر دیں گے تمہیں روزِ شمار

وہ شبستان میں ہیں محوِ خوابِ ناز
صورتِ سیماب ہم ہیں بے قرار

کون خاطر میں ہمیں لائے کہ ہم
غربت و افلاس کا ہیں شاہکار

ہے دعا اس سنگدل کو بخش دے
اک دلِ ہمدرد اے پروردگار

آج نازشؔ رات کے پچھلے پہر
جارہا ہے تو کہاں مستانہ وار

ہے دستِ فنکار کا نمونہ، مجسمہ فنِ آذری کا
وجود پر تیرے ختم ہے فن مصوروں کا مصوری کا

ذرا ٹھہر گردشِ زمانہ کہ اب وہ آمادۂ کرم ہے
نظر نظر میں کسی سے پیغام لے رہا ہوں میں زندگی کا

تجھے کہوں میرؔ کا تخیل تجھے کہوں داغؔ کا تجمل
میں فکر اقبال تجھ کو مانوں تجھے کہوں فلسفہ خودی کا

وہ بے نیازِ وفا پشیماں کھڑا ہے بیمار کے سرہانے
کچھ اور سانس عطا ہوں یا رب سفر نہ ہو ختم زندگی کا

اگر نہیں ہے صراحی و جام سے تعلق تو مئے کشو پھر
یہ وعظ میں بار بار کیوں شیخ ذکر کرتا ہے میکشی کا

صراحی و جام لے کے ساقی تمہاری جانب ہی آ رہا ہے
لبوں پہ اپنی زباں پھرا کر کرو نہ اظہار تشنگی کا

ملاحظہ ہو یہ جرأتِ شیخ، درس دیتا ہے میکشوں کو
کہ جو جنوں زادۂ وفا ہیں پتہ نہیں جن کو آگہی کا

سنائی جب میں نے داستانِ فراق آنکھوں میں اشک بھر کر
جھکی ہوئی آنکھ میں ان کی گماں ہوا ہے مجھے نمی کا

جلایا خونِ جگر سلف نے غزل کے جس پیرہن کی خاطر
ترقیوں نے اتار پھینکا غزل وہ پیرہن کبھی کا

جب بھی چمنستاں میں کوئی پھول کھلا ہے
مایوسِ محبت کو نیا داغ ملا ہے

اس انجمنِ ناز میں زخمِ دلِ نازک
الفاظ کے نشتر سے کئی بار چھلا ہے

گذرے ہیں مٹا کر وہ ابھی نقشِ لحد کو
کیا بیش بہا مری وفاؤں کا صلہ ہے

اندازِ تغافل کے حیا ساتھ رہی ہے
وہ دشمنِ اربابِ نظر جب بھی ملا ہے

جذبات کو مجبور بنایا ہے اسی نے
نازشؔ مجھے خود اپنی محبت سے گلا ہے

جو نہ قربِ سیم تناں کٹے جو نہ زیرِ ظلِ بتاں کٹے
تو بتا بھی دو مرے دوستو کہ یہ دورِ زیست کہاں کٹے

تجھے فخر ہرزہ سرائی پر، مجھے ناز شعلہ نوائی پر
جو کروں میں شعلہ بیانیاں تو ترا غرورِ بیاں کٹے

جو میں وقفِ آہ و بکا رہوں جو میں شکوہ سنجِ جفا رہوں
تو قسم ہے ربِ غفور کی مرا دل پھٹے رگِ جاں کٹے

مرے بندہ پرورِ خوش جمال مجھے در سے نہ اپنے یوں نکال
مری غم نصیب حیات پھر تو بتا کٹے تو کہاں کٹے

نہیں زیب تجھ کو یہ بزمِ عیش، ترے ہاتھ میں تو ہے نظمِ جیش
وہ اثر ہے تری نگاہ میں کہ اٹھے تو نوک سناں کٹے

تو نہ ہوگا واقف سرِ حق، تو سمجھ سکے گا نہ یہ سبق
ترا تھوڑا عرصۂ زندگی جو نہ زیرِ قلبِ تپاں کٹے

تو نکل احاطۂ دیر سے، مرا ہمنشین ہو خیر سے
میں بلال کی جو اذان دوں، ترے کفر کی رگ جاں کٹے

میں ہوں نازشؔ الم آشنا کہ تری رضا ہے مری رضا
جو کروں میں شکوہ کبھی ترا، تو دہن سے میری زباں کٹے

تنگی جو نظر میں ہو تو بحر بھی قطرہ ہے
جو ظرف میں وسعت ہو تو قطرہ بھی دریا ہے

تم جھوٹ کے پیراہن پہناؤ صداقت کو
یہ یاد رہے حق تو ہر طرح ابھرتا ہے

میں جانبِ مقتل بھی اس شوق سے جاتا ہوں
جیسے کہ مرا یہ بھی دیکھا ہوا رستا ہے

جب سے مرے پہلو سے اٹھ کر جو گیا کوئی
کاشانۂ دل میرا ویران سا لگتا ہے

ابتک تو نہ میں خود کو پہچان سکا خود بھی
پھر کیسے بتاؤں میں کیا چیز یہ دنیا ہے

کیوں پونچھ رہا ہے تو آئینے کو اے نازشؔ
ہے گرد ترے رخ پر میلا ترا چہرہ ہے

نظر ملا کے نظر آزمائے جا ساقی
مجھے ہلاکِ توجہ بنائے جا ساقی

ترا سرور سلامت رہے خمار کی خیر
شعور و ہوش کی دنیا پہ چھائے جا ساقی

جو ایک خاص نظر دل کے پار ہوتی ہے
اسی سے قلب جگر گد گدائے جا ساقی

جلا کے پرتوِ عارض سے شمعِ ماہ ونجوم
تو اپنی انجمنِ شب سجائے جا ساقی

ہے ننگِ بادہ کشی احتیاجِ ساغر و جام
مجھے تو اپنی نظر سے پلائے جا ساقی

تری رضا کو میں اپنی رضا سمجھتا ہوں
بنائے جا کبھی مجھ کو مٹائے جا ساقی

کبھی تو کوئی کھل گئی کلی مرے دل کی
تجھے قسم ہے یونہی مسکرائے جا ساقی

غنچوں کو شرم اور گلوں کو حجاب ہے
صحنِ چمن میں آج کوئی بے نقاب ہے

شرم وحیا، عتاب وغضب، خود سپردگی
جو بھی ادا ہے آپ کی وہ لا جواب ہے

اعلان ہو رہا ہے سرِ میکدہ کہ جام
امشب لگانا ہونٹ سے کار ثواب ہے

فرمایئے ملاحظہ رفتارِ سیم تن
جیسے کہ رقص میں کوئی جامِ شراب ہے

نازشؔ مجھے کسی نے یہ چپکے سے کہدیا
یہ پارسائی آپ کی ننگِ شباب ہے

تھا ہمارے پیار پر جن کو غرور
وہ بھی اب رہنے لگے دور رور
جرمِ الفت کا ہوں میں بھی مرتکب
اس میں کیا شک ہے کہ تم ہو بے قصور
احترامِ لغزشِ آدم بھی ہے
میری فطرت میں ہے کچھ ربِ غفور
دیکھنے کے بعد جلوؤں کو ترے
ہوگئے ہم بھی کلیمِ کوہِ طور
آپ بیتی سن کے ہیں خاموش کیوں
آپ بھی فرمایئے کچھ تو حضور
چند لمحے تو سکوں سے بیت جائیں
مطربا! اب چھیڑ نغماتِ سرور
چھائی ہے بزمِ سخن پر مردنی
جس طرح خاموش ہوں اہلِ قبور
حضرتِ نازشؔ کو جن پر ناز تھا
چھوڑ کر وہ جا بسے ہیں کانپور

سر سے پا تک حشر سامانی سے وہ لبریز تھا
مائلِ دشنام کیا تھا گویا وہ گل ریز تھا

پل دو پل کے واسطے کل آپ کیا آ کر گئے
خانۂ دل دیر تک گل ریز و عنبر بیز تھا

مرنے والے پر ہوا پھر نشہ جینے کا سوار
تو نے جو پانی پلایا وہ حیات آمیز تھا

جب تک اس نے کی نہ تھی مجھ پر نظر، لاشئ تھا میں
اس نے جب دیکھا تو پھر میں خسروِ پرویز تھا

مارتا تھا پھول سے وعدوں کے جب ملتا تھا وہ
اور ادھر پیمانۂ دل صبر سے لبریز تھا

وہ چھری چاقو وہ کانٹا قینچی دھاگا سوئی
آپ کا تو وہ دریچہ ڈاکٹر کی میز تھا

شعر میں غم ڈھل گیا تو اور جاذب ہوگیا
سُر دیا جس غم کو میں نے وہ طرب انگیز تھا

دل سے رخصت ہوچکا تھا کاروانِ صبر و ضبط
کیسے خود کو میں بچاتا کہ شعلہ تیز تھا

درد کا سہارا لو تیرگی مٹانے میں
آنسوؤں کے روغن سے شمعِ دل جلانے میں

کارگاہِ ہستی میں حسبِ ظرف ہے مشغول
کوئی تو جِلانے میں کوئی تو جَلانے میں

حیلہ گر کے حیلے کو جانتے ہیں ہم لیکن
بہہ گئے ہیں دانستہ پھر بھی ہر بہانے میں

حرص و آز کے بندے دستیاب ہیں لیکن
''اہل دل نہیں ملتے آج کے زمانے میں''

بات مان جا میری اے مرے دلِ ناداں!
قدر تیری کم ہوگی روز آنے جانے میں

دوستو جو میرے بعد چاہتے ہو کچھ لکھنا
دال لام لکھ دینا بس مرے فسانے میں

چِڑھ کے بولتے ہیں وہ جلد آؤ مقصد پر
بات لمبی ہوتی ہے ایسے ہچکچانے میں

مائلِ کرم ہیں وہ تیرے حال پر نازشؔ
شرم اب تجھے کیا ہے حالِ دل سنانے میں

اپنی زبان حال سے کہتا ہے ایک پھول
تر آنسوؤں سے ہے مرا دامن جگہ جگہ

یہ کونسی زمین ہے او میرے ہم سفر
آتا ہے یادِ عہدِ لڑکپن جگہ جگہ

شاید کسی کی تیز نگاہوں کے تیر سے
چلمن پہ ہیں پڑے ہوئے روزن جگہ جگہ

قسمت کی گردشوں سے نہ ہوجایئے ملول
جنگل جگہ جگہ ہیں تو گلشن جگہ جگہ

نازش ذرا سنبھل کے رہو اس مقام پر
پھیلے ہوئے ہیں شیخ و برہمن جگہ جگہ

ہر سمت ہے حدیثِ مئے و جام شہر میں
کی جاتی ہے عبادتِ اصنام شہر میں

شاید کوئی وفا کا پرستار چل بسا
بر پا ہے آج حشر کا ہنگام شہر میں

وہ مستِ سیم و زر ہے یہ افلاس کا اسیر
ہے تیز نبضِ گردشِ ایام شہر میں

دشت و دمن کی زیست ہی اب راس آئیگی
لگتا نہیں ہے اب دلِ ناکام شہر میں

گاؤں میں اپنی قدر تو نازشؔ نہ کچھ ہوئی
جاکر کمائیں گے چلو اب نام شہر میں

تو عمیق بحر میں ہے ایک پوشیدہ صدف
اور میں ہوں سطحِ آبِ بحر پر آوارہ کف

داستانِ سوزِ الفت جس ورق پر تھی رقم
گرمیٔ غم سے وہ جل کر ہو چکا ہوگا تلف

قوم کو لے دے کے بس اک شیخ پر تھا اعتماد
ناوکِ چشمِ غزالاں ہوگئے وہ بھی ہدف

جاگنے سے نیند بہتر جب فضا مسموم ہو
اس لیے ہم سو رہے ہیں بن کے اصحابِ کہف

آپ کی آنکھوں کی مستی میں اضافے کے لیے
پیش خدمت کر رہا ہوں سرمۂ درِ نجف

آبروئے میکدہ رندو تمہارے ہاتھ ہے
شیخ صاحب آرہے ہیں قہر میں خنجر بکف

آپ کے نازشؔ نے گوندھا اشک کے پھولوں کا ہار
بندہ پرور ''گر قبول افتد زہے عز وشرف''

خضرِ منزل ہیں ترے نقش قدم تیری قسم
پا ہی لیں گے منزلِ مقصود ہم تیری قسم

تیرے در کی جلوہ سامانی کا عالم دیکھکر
جی میں آتا ہے کہ دیدیں اپنا دم تیری قسم

اپنے دیوانوں کی جانب مسکرا کر دیکھ لے
دور ہوجائے گی کلفت اے صنم تیری قسم

ترکِ الفت کرنے والے تونے یہ سوچا بھی ہے
تجھ کو اک اک لمحہ یاد آئیں گے ہم تیری قسم

وہ توجہ وہ عنایت جو تھی پہلے دم بدم
ہورہی ہے دن بدن نازشؔ پہ کم تیری قسم

راستے پر کون جاتا ہے پیادہ دیکھئے
آپ خود سمٹا جاتا ہے جادہ دیکھئے

جس تمنا پر وہ برہم ہو کے پھر شرما گئے
آج پھر اس کا ہی کرتا ہوں اعادہ دیکھئے

صحبتِ اہلِ خرد تو کام کچھ آئی نہیں
کرکے اب اہل جنوں سے استفادہ دیکھئے

بوئے مئے کیوں آرہی ہے جبہ و دستار سے
شغل ان کا دیکھئے اور روئے سادہ دیکھئے

طیب خاطر سے ہر اک رنجش گوارا ہے ہمیں
آپ ہی کرتے ہیں تھوڑے کو زیادہ دیکھئے

ہے نگاہِ اولیں یوں بھی شریعت میں معاف
حسن طالب ہے کہ مجھ کو بالارادہ دیکھئے

شیخ کی سن کر ادھر تو رند تائب ہوگئے
ہے ادھر مشغولِ بادہ شیخ زادہ دیکھئے

مشربِ جامِ چشم میں ہوتی ہے لذت کس قدر
آپ نازشؔ ترک کر کے شغلِ بادہ دیکھیے

جو گواہِ صداقتِ غم ہیں　　وہی آنسو حریفِ شبنم ہیں
غیر پوچھتے ہیں حال مرا　　یہ بھی احسان ان کے کیا کم ہیں
جاننا چاہتی ہیں وہ آنکھیں　　حضرتِ دل کے کتنے دم خم ہیں
میں تو تمہید ہی سناتا ہوں　　ان کی آنکھیں ابھی سے کیوں نم ہیں
ان کی یادوں میں جو بہے آنسو　　وہ مقدس ہیں وہ مکرم ہیں
ملتی ہے سال بھر میں ایک خوشی　　اور جو غم ہیں وہ دمادم ہیں
میں ہوں اور ایک عالمِ غمِ دل　　ان کے عالم ہزار عالم ہیں
دیکھ کر وہ مری نگاہوں کو　　اپنے جلوؤں سے خود ہی برہم ہیں
فخر یہ بھی تو کم نہیں نازشؔ
مرکزِ التفاتِ غم ہم ہیں

دل جلوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور بس
نام اہلِ عشق میں میرا بھی ضمناً آ گیا

دوڑتا ہوں یا جما رہتا ہوں بس یہ دیکھئے
اپنی وہ تلوار سونتے امتحاناً آگیا

ساتھ دل کا چھوڑتا ہے چند لمحے درد یوں
کوچ کرتا ہے نہاراً اور لیلاً آ گیا

حکم کرنا کام تیرا، ماننا ہے میرا کام
تیرے ہر اک حکم پر میں امتثالاً آگیا

زندگی بھر تو وہ بدلے پر نہ قادر ہوسکا
اب لئے درہ لحد پر انتقاماً آگیا

ورطۂ عصیاں میں تھا، چونکا دیا درویش نے
اب میں تیرے در پہ مولا احتساباً آگیا

جب مسرت کو بلایا ہوگئی روپوش وہ
درد کو میں نے پکارا تو وہ فوراً آگیا

میرے حسنِ شعر کا نازشؔ یہی تو راز ہے
کہہ دیا وہ، جو بھی دل میں ارتجالاً آگیا

رکھوں اس راز کو مخفی کہاں تک　　میں ڈرتا ہوں نہ آجائے زباں تک
جہانِ خواب سے کہتا ہے کوئی　　چلے آؤ چلے آؤ یہاں تک
انہی کی نعت سے دیکھی ہے ہم نے　　فضا مملو زمیں سے آسماں تک
ہر اک آغاز کا انجام بھی ہے　　کوئی جھیلے تو غم جھیلے کہاں تک
کتابِ حق کی اعلی شان ہے یہ　　کرے گی رہبری باغِ جناں تک
نہ ہم ہرگز ٹلیں گے تیرے در سے　　ہم کہ بیٹھے رہیں گے تیری ہاں تک
عرب ، فارس سے نکلی اور پہنچی　　ہماری شاعری اردو زباں تک
عروج و سربلندی کی حقیقت　　مِرے آقا کے قدموں کے نشاں تک
وہ شاہِ ہندسے شاہِ جہاں تک　　بنا کر تاج پہنچا آسماں تک
سفر پہلے نہاں سے تھا عیاں تک　　عیاں سے اب سفر ہوگا نہاں تک
نتیجہ تو معلق ہی رہے گا　　حیات موت کے اس امتحاں تک
قیامِ مستقل تیرا نہیں ہے　　سکونت ہے یہاں کارِ جہاں تک
انہی کی رہبری میں طے کریں گے سفر　　یہ ایں جہاں سے آں جہاں تک
ہے ماں زندہ بڑا دھنوانی ہوں میں　　کوئی دولت نہیں پہنچے گی ماں تک
ہماری گفتگو شیر و شکر تک　　تمہاری گفتگو تیر و سناں تک
طُوی سے دی صدا رب نے کہ موسیٰ　　چلے آؤ تو پہلے تم یہاں تک
ادب سے چھوڑ دو نعلین اپنے　　نوازیں گے تمہیں دیکھو کہاں تک
وہ کیا سمجھے گی اسرارِ محبت　　پہنچ ہے عقل کی سو د و زیاں تک

بہاروں تک نہیں محدود گلشن
بہاروں کا زمانہ ہے خزاں تک

جب تک گزر نہ جاؤ گے کانٹوں کی راہ سے
اس وقت تک گلاب کا پانا محال ہے

ان سے نصاب پانے کی امید کیا ہو جب
الفت کے ایک باب کا پانا محال ہے

رَیو رِیا سے پاک نہ جب تک عمل رہے
اللہ سے ثواب کا پانا محال ہے

جب تک کرو سوال نہ انکے ہی رنگ میں
ان سے کسی جواب کا پانا محال ہے

پُرکھوں کے ساتھ ان کا زمانہ چلا گیا
پھر ویسے رعب دار کا پانا محال ہے

جب تک کہ ان کی چشم کرم ہو نہ حشر میں
دائیں طرف حساب کا پانا محال ہے

لے آئی تشنگی یہ ہمیں کس دیار میں
پانی تو کیا سراب کا پانا محال ہے

ہوتی تھی جس میں وادیٔ خوش رنگ میں اڑان
آنکھوں کو پھر وہ خواب کا پانا محال ہے

جلسے میں ہونگے آپ کے شیدائی ہر طرف
ایسے میں آنجناب کا پانا محال ہے

بیٹھے رہو گے تم جو یوں ہی منہ بسور کے
پھر عزمِ کامیاب کا پانا محال ہے

پہنچ ہے عقل کی سود و زیاں تک وہ کیا سمجھیں گے اسرار محبت
بہت مایوس ہیں یہ عقل والے ہیں اہلِ دل ہی سرشارِ محبت
وہ مرمر کی حسیں مینار و گنبد ہے دل والوں کا گلزارِ محبت
نیاز و ناز کی باتیں ہیں ساری یہی انکار و اقرارِ محبت
لکھی تحریر پتھر کے قلم سے شغل اک تھا قلم کارِ محبت
کبھی آہیں کبھی ہیں لمبی سانسیں یقیناً ہیں یہ آثارِ محبت
انہیں کے گھر پہ فرمائش یہ ان کی سنائے ہم نے اشعارِ محبت
کرے جو رنج و غم کا خیر مقدم وہی دل ہے سزاوارِ محبت
جو سر کو دار کی زینت بنا دے وہی ہوتا ہے سردارِ محبت
محبت کی نشانی دی جہاں کو جہاں کا ہے وہ معمارِ محبت

یہاں چلتا ہے شاہِ دل کا سکہ
کہ نازشؔ ہے یہ بازار محبت

چراغوں سے کیا جو کچھ ہوا نے
کیا مجھ سے وہی اک بے وفا نے

ارادے بجلیوں کے جان کر بھی
بناتے ہیں عنادل آشیانے

خرد کو چھوڑ دو، دل لے کے جاؤ
بہت کھونا پڑے گا تھوڑا پانے

تعلق کا گلا گھونٹا تھا جس نے
وہ اب کرتا ہے ملنے کے بہانے

جنہیں گھر میں نہیں کوڑی کی عزت
وہ ہر محفل میں بنتے ہیں سیانے

جو چاہے تجھے من سے ساجن وہی ہے
جو بن میں لگے دل تو گلشن وہی ہے

پیا رنگ میں رنگ جا او سکھی ری
''پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے''

ہو جنگل کی وادی یا صحرا کی کٹیا
جہاں وہ رہے میرا مسکن وہی ہے

مجھے آئینہ اپنا جانے نہ جانے
مگر میرا انمول درپن وہی ہے

چڑھایا تھا ساجن نے جو رنگ اپنا
وہی رنگ اب تک ہے تن من وہی ہے

دیا جو پھٹا بوریا وقتِ رخصت
مرا حرزِ جاں ہے میرا دھن وہی ہے

پکڑ لو کہ آویختہ عرش سے ہے
کہ حبل المتیں جن کا دامن وہی ہے

میں پاتا ہوں سب سے ہی دادِ تغزل
اگر ہے تو محفل میں بد ظن وہی ہے

جہاں پر ملا تھا مجھے کیمیا گر
خزانہ وہی میرا معدن وہی ہے

ایک شاہِ تغلق ہے ایک درِ ابلق ہے
عقل و فہم سے باہر یہ معمہ مغلق ہے

دیکھتا ہوں عبرت سے اس کو خاک آلودہ
وہ جو کل یہ کہتا تھا سلطنت میرا حق ہے

ایک بوسی جلنے کی آرہی ہے سانسوں میں
کیوں نہ ہو کہ سینے میں ایک دلِ محرق ہے

رنج وغم کی سوزش بھی میں سہوں گا ایک حدتک
کیا یہ تو سمجھتا ہے میری ذات ابرق ہے

اس کو مان لینا بھی میری جان ایماں ہے
اس کا میں مصدِّق ہوں وہ مرا مصدَّق ہے

لفظ دلربا میں جب حرف میرا **مفخَّم** ہے
تم شریک بن جاؤ جس کی را مرقق ہے

قلعہ محبت کو فتح کرنے والا تو
دیکھتا نہیں حائل درمیاں میں خندق ہے

تنگیوں سے تجھ کو میں وسعتوں میں لے آیا
اے جنوں تیری خاطر دشت اب لق ودق ہے

بحرِ عشق میں نازش عقل و دل کی کیفیت
سطح آب پر اک ہے اور ایک مغرق ہے

کشمیر کہہ رہا ہے یہ نو واردین سے
گم ہو نہ جاؤ میرے نشیب و فراز میں

کھوٹ اور غل و غش سے صفائی جو ہو طلب
تو آؤ، نورِ دل ہے مہیا نماز میں

موہوم نفعِ خمر سے بڑھ کر ہے اثمِ خمر
پھر جستجو ہے کیوں تجھے اس کے جواز میں

کشتی دماغ کی تو نہ ڈھو سکے گی بوجھ
یہ بارِ عشق ڈال دو دل کے جہاز میں

تاخیر سے ہی آئیں گے محفل میں آج وہ
''الجھا ہے پاؤں یار کے زلفِ دراز میں''

وعدہ لیا تھا اس نے کبھی تم نہ کھولنا
لو ہم تو مر چلے اسی اخفاء راز میں

اٹھ کر وہ صبح مجھ سے بغل گیر ہو گیا
شب بھر مرے خلاف رہا ساز باز میں

اک مولوی ہے اور تو علامہ اور ہے
کیا فرق تجھ کو لگتا نہیں زاغ و باز میں

یہ سب و شتم تیری یہ تیر مغلظات
کب تک رہے گا تو یونہی بول و براز میں

شاید کہ چرمِ گاؤ تھا پاپوش میں لگا
سوجن جو آگئی ہے ترے پائے ناز میں

ملتی ہے ان کو ذلت و رسوائی ہر قدم
پھنس جاتے ہیں جو اہلِ خرد حرص و آز میں

بابر کی ایک مسجدِ مرحوم کی پکار
سنتی رہے گی قوم اذان و نماز میں

اوقات یہ مقرر شعلہ بیاں کی ہے
چھلکے پہ چھلکا ہوتا ہے جیسے پیاز میں

اشیاء خوردنی پہ ہے خلق خدا کا حق
اس کے لیے جواز نہیں ارتکاز میں

جب آشیاں کے تنکے بکھرنے لگے خدا
دے ضبط مجھ کو لمحۂ زہرہ گداز میں

عہدۂ گلچیں پہ تھے فائز کبھی گلشن میں ہم
حاسدوں کی چشمِ بد سے خارچیں ہم ہوگئے

آرزو کے جن دیوں سے تھی منور زندگی
وہ دئے اب روشنی دینے میں مدھم ہوگئے

اک اک کرکے ہوئی کتنے فرزانوں کی موت
حوصلے جتنے تھے دل میں صرفِ ماتم ہوگئے

غم خوشی کا بھی نہیں احساس دل کو کیا ہوا
رنج و غم کیف و مسرت جیسے مدغم ہوگئے

بعد حج اک رند تائب میکشی سے ہوگیا
خیر لانے کا سبب جرعاتِ زمزم ہوگئے

بکھرا بکھرا تھا تصور چیدہ چیدہ تھا خیال
تیرے سر و قد کو دیکھا تو منظّم ہوگئے

آئے تھے وہ دو گھڑی بیمار پرسی کے لئے
ان کے دو کلمے مرے زخموں کا مرہم ہوگئے

اک مرنے والا کہہ گیا یہ بات آخری
تو زندگی گذار بڑی احتیاط سے

کالج ہو کارخانہ ہو دفتر ہو راہ ہو
ابتر ہیں مرد و زن کے سبھی اختلاط سے

تب ہی پنپ سکے گا اک اچھا معاشرہ
سب اپنے دائرے میں میں رہیں احتیاط سے

میری وفا پرکھنے کو ان کی یہ شرط ہے
جب تک کہ اونٹ جائے نہ سم الخیاط سے

باریک بال سے بھی ہے تلوار سے بھی تیز
ہر شخص کو گذرنا ہے اس پل صراط سے

دے رہا ہوں دعائیں تیرے درد کو زندگی درد کا دوسرا نام ہے
ٹیس بڑھتی رہے چین گھٹتا رہے درد ہی درد مندوں کا پیغام ہے

آنکھ تو نے جو کھولی تو غم خانہ تھا، وقت کے ہاتھ میں غم کا پیمانہ تھا
پل دو پل کی خوشی ڈھونڈتا ہے تو کیا زندگانی ہی جب وقفِ آلام ہے

صحرا زادوں کو تو نہ کر قیدِ مکاں یہ زمین فرش ان کی ہے چھت آسماں
وسعتِ دشت بھی ان کو کافی نہیں گھر بنانے سے پھر ان کو کیا کام ہے

گھر میں جو کچھ تھا وہ پیش فرما دیا اور کہنے کو بھی گھر میں حبہ نہ تھا
پوچھنے پر کے گھر میں ہے کیا؟ تو کہا ساتھ میرے بس اللہ کا نام ہے

عقل تخمین وظن کی بھی ہے پیروی اور عشق ومحبت کا دعوی بھی ہے
مصلحت کے تقاضوں پہ چلتی ہے جو عشق کے راستے میں خرد خام ہے

خالق دہر کی ہم وہ مخلوق ہیں جو طرب سے زیادہ ہیں جویائے غم
دل بنا کر اسے غم کا جوڑا دیا دینے والے کا یہ بھی تو انعام ہے

جس کی تاریخِ ماضی جہاں تاب تھی گردش خون میں خوئے سیماب تھی
اب وہ انجم شناسوں میں گم ہوگیا پہلے مشہور تھا اب گمنام ہے

اب قیصر و سکندر و دارا کی گفتگو
کیوں بوریہ نشینوں کے کرتا ہے روبرو

ان بوریہ نشینوں کو کیا جانتا ہے تو
بھاری ہے کائنات پہ ان کی اک اللہ ہو

ذاتِ صمد کی رکھتا ہوں کچھ میں بھی صمدیت
بندہ ہوں اس کا جس کا نہیں ہے کوئی کفو

نامِ خدا کے بعد ہے جن کا عظیم نام
لیتا ہوں انؐ کا نام ہمیشہ میں باوضو

آ جائے گا نکل کے غلط فہمیوں کا حل
جب گفتگو کریں گے کبھی ہو کے دو بدو

طوفان گالیوں کا بھی فردوسِ گوش تھا
جو گالی دینے والے تھے سب تھے وہ خوش گلو

ساقی کو آج بزم میں کہتے خوش آمدید
صف میں کھڑے ہیں ساغر و پیمانہ و سبو

وہ ٹہنی جو درخت سے کردی گئی جدا
دیکھی گئی نہ اس کی پھر افزائش و نمو

نازشؔ تو ہو چکا ہے فدا پائے یار پر
اب ختم ہوچکی تری منزل کی جستجو

نازشؔ جنونِ عشق نے فرصت نہ دی مجھے
دل چاک تھا ادھر تو ادھر تھا جگر رفو

ہے بارشِ الہام میں شاعر کو میسر   ''ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلّی''
ان خاک نشینوں میں ہی جاری ہے خلافت   آ دیکھ! نہ ان میں ہے تفوق نہ تعلّی
یہ ارض و سما سب اسی خالق کا حرم ہے   اور اس حرم پاک کے یہ ہیں متولی
نازش ذرا کر تازہ پرانی وہ کہانی   جانباز تھا اک باریٔ افرنگ محلی
آتا ہوا موذی کو جو اس راہ پہ دیکھا   بس اتنا کہا ہم نے ہی خود راہ بدل لی
اک نظم کا مضمون ہے ہر شعر غزل میں   چھوڑی جو رہ نظم تو پھر راہِ غزل لی
بچے نے سفر میں کہا کھا لیجیے ابو   بھونے یہ چنے اور یہ بھونی ہوئی پھلی
ہاں مقبرہ ٹیپو کا سری رنگا پٹن ہے   ٹیپو کا جو مولد ہے وہ ہے دیونا ہلی

سب شہر سبھی گاؤں کے ناموں سے جڑا ہے
آباد نگر پور ہو یا ہلّی کہ پلّی

ناقابل ہے یا قابل ہے
میرا دل پھر میرا دل ہے

بحرِ الم میں ڈوبنے والو!
بحر محبت بے ساحل ہے

عشق کی باتیں دل ہی جانے
عقل بیچاری جاہل ہے

ٹپکے ہے یہ قطرہ قطرہ
عمر نہیں یہ برف کی سل ہے

میری کہانی سننے والے
تیری کہانی بھی شامل ہے

اشکِ مژگاں گویا شبنم
پھول کی پتی پر جھلمل ہے

چوم نہ لوں کیوں اس کے قدم کو
عرشِ بریں جس کی منزل ہے

میرا عشق ہے بحرِ قلزم
ان کا کرم بحرالکاہل ہے

حکمت کا جامہ تو پہن لے
کون سی شے ہے جو مشکل ہے

غم بھی مسرت خیز ہوا ہے
جب سے وہ مجھ پر مائل ہے

کالی گھٹاؤں کا عنواں ہے
عارضِ گل گوں پر جو تل ہے

ساقی ناداں توڑ نہ اس کو
شیشہ نہیں یہ میرا دل ہے

تقویمِ انسان میں نازشؔ
باد و آتش آب و گل ہے

نازش جب سے ہم اٹھے ہیں
ویراں ویراں وہ محفل ہے

"اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی"
اے مرد مسلماں تجھے راس نہ آئی

ناقدر کو نازشؔ نہ سنا اپنی غزل تو
پیشِ زغن و زاغ نہ کر نغمہ سرائی

پھر خیر نہیں تیرے تغافل کی قبا کی
گر جوش میں آجائے میری شعلہ نوائی

شاخوں پہ یہ پلکوں کی مہکتے ہوئے گل ہیں
برباد نہ کر سوزِ دروں کی یہ کمائی

ابلیس بڑے شوق سے بانٹے ہے مٹھائی
جب پیشِ پدر لڑنے لگے بھائی سے بھائی

ست رنگ دھنک کا ہے خلاصہ علمِ ہند
سبزی و سفیدی سے ملا رنگ حنائی

کیا خوب انیسِ غم دل نے دیا تحفہ
خونیں جگراں کے لیے یہ گنج رثائی

تکتے ہوئے رہ جاتے ہیں ماں باپ خلا کو
بیٹی کی جدائی ہو کہ بیٹے کی جدائی

وہ قافلہ منزل میں پہنچ پائے گا کیسے
قزاق ہی جب کرنے لگے راہنمائی

احوال میں ریشم ہوتو اقوال میں ہوں قند
ٹوٹے کوئی دل تجھ سے نہ تجھ سے کوئی روٹھے

انجام سے واقف ہو اگر خندۂ گل کے
پھر شاخ پہ گلشن کی کوئی غنچہ نہ پھوٹے

بادِ سحر بن کے تو چل صحنِ چمن میں
"آئے تہ پا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے"

ہے قید میں آرام رہائی سے زیادہ
پھر کیسے یہ دل گیسوئے پر پیچ سے چھوٹے

دلبر بھی میرا آج کے لیڈر سے نہیں کم
جتنے بھی کیے وعدے سبھی ہو گئے جھوٹے

گانے میں غزل تھا بڑا فنکار جلوٹا
اب رنگ جمانے لگے مصنوعی جلوٹے

ہوتا ہے چھپا علم کا سینے میں دفینہ
چوری نہ کرے کوئی نہ اس کو کوئی لوٹے

اعلان ہوا جنگ کا تو فوج سے پہلے
گھوڑے ہی نکل بھاگے پڑے رہ گئے کھوٹے

مجنوں نے بکھیرا دلِ صد چاک زمین پر
صحرا میں کھلائے ہیں کہیں گل کہیں بوٹے

نازش نے سنائی ہے غزل بزم میں ان کی
پھر کیوں نہ کرن مہر کی اس ماہ سے پھوٹے

بس ہوئی ان کی ایک جنبشِ لب
سارے دفتر رہے دھرے کے دھرے
ان کی آنکھیں عطا کریں گی سند
کتنے کھوٹے آپ کتنے کھرے
یاس کے ساتھ ایک آس بھی ہے
خالی ساغر میرا بھرے نہ بھرے
بغضِ سینہ کا ہوگئے لقمہ
کھیت جو لہلہارہے تھے ہرے
داستاں ہے یہ مختصر اپنی
ہم تجھی پہ جیٔے تجھی پہ مرے
میں ڈراتا تو ہوں خدا سے اسے
بت خدا سے ڈرے، ڈرے نہ ڈرے
'جان اس پر نثار کرتا ہوں'
وہ بھروسہ کرے، کرے نہ کرے
اور بھی ایک بسیط عالم ہے
آب و گل کے جہان سے بھی پرے
یہ بھی عزت ہے عشق میں نازشؔ
آپ تھے تم سے تو ہوئے پھر ارے

تیرے درد کو دے رہا ہوں دعائیں ترا درد اب راس آنے لگا ہے
تیرا شکریہ اے نگاہِ عنایت، ہر اک تیر تیرا ٹھکانے لگا ہے

نگاہِ کرم اور کچھ دیر زحمت تیرا التفات محبت سلامت
ہجومِ الم میں بھی تیری بدولت ہر اک زخمِ دل مسکرانے لگا ہے

اسے رہبروں کی نوازش سمجھئے، نئی مشکلاتِ محبت میں مجھ کو
خدا جانے کیوں ہر قدم پر سفر میں کوئی راہزن یاد آنے لگا ہے

زمانے کے اکثر حوادث سے اس کو نجات مسلسل عطا ہو گئی ہے
جوان کی نگاہوں سے اپنے جگر پر نئی سے نئی چوٹ کھانے لگا ہے

یہ کس نے کیا یاد اے ہمنواؤ! یہ رازِ محبت مجھے بھی بتاؤ
ابھی تک تو خاموش تھا قلبِ نازشؔ مگر اب غزل گنگنانے لگا ہے

خوب سامان تغزل لئے یاد آئی ہے
آج پھر دل میں وہی انجمن آرائی ہے
شوخ و چنچل نہیں لرزیدہ و رنجیدہ ہے
جانے کیا لے کے پیام آج صبا آئی ہے
یک بیک چھا گئی آنکھوں میں حیا کی سرخی
میرے لب پر جو تمنا کبھی لہرائی ہے
دل سے لب تک نہ کبھی آئے فغاں چپ ہو جا
ورنہ اے عشق تیرے ضبط کی رسوائی ہے
بے زبانی کا نگاہوں سے نہ پوچھے کوئی راز
بات ہونٹوں پہ بھلا دل کی کہیں آئی ہے
میرے نالوں سے نہ ٹکراؤ زمانے والو
میرے نالوں کی سرِ عرش پذیرائی ہے
آ گیا کیوں ہے بھلا واعظِ خانہ برباد
ایسے عالم میں کہ جب کالی گھٹا چھائی ہے
دیکھنا شیخ کا اس میں تو نہیں حسنِ طلب
گفتگو لب پہ مئے جام کی کیوں آئی ہے
وجہ بربادیٔ دل پوچھی تو کسی نے تو مجھے
دفعتاً چشم فسوں ساز کی یاد آئی ہے
بزم میں سن کر مری قوس وقزح رنگِ غزل
شیخ صاحب کو بھی آنے لگی انگڑائی ہے
خود ستائی نہیں خاکم بدہن نازشؔ نے
دہلی و لکھنؤ سے بھی دادِ سخن پائی ہے

یاد ہے اب تک مجھے تیری نگاہ نشہ پاش
کردیے تھے جس نے میرے راز ہائے عشق فاش

طفلکِ شیطان پر لاحول بھیجو بعد میں
نفس کی پہلے خبر لو جو بڑا ہے بدمعاش

میری غزلوں میں شامل سرخیٔ خونِ جگر
میری غزلوں کا ہے ہر ہر شعر میرے دل کی قاش

کیا کریں گے نوجواں بے چارے تعمیرِ وطن
بیٹھ کر وہ غپیاں ماریں گے یا کھیلیں گے تاش

نفس اور نفسانیت کی محویت اچھی نہیں
اہل دل کے پاس بھی رکھو کچھ اپنا بود و باش

بزم جو کل تک تھی نازش مرکزِ کیف و طرب
آج اٹھتی ہے وہیں سے ایک صدائے دل خراش

دل کی ہے کیا حقیقت میں جان بھی گنواؤں
ان کی نگاہ کا جو ہلکا اشارہ پاؤں

ناز و نیاز مندی دونوں عطائے قدرت
وہ بیوفا صنم ہے میں اس کے ناز اٹھاؤں

تک تک کے تھک گئی ہے نظریں تیرا دریچہ
جا جا کے لوٹ آئے میرے نظر کے پاؤں

وحشت کی وسعتوں میں صحرا ہے ایک ذرہ
وحشت سمٹ گئی تو صحرا ہے چھوٹا گاؤں

دعوت پہ اس کے نازش غیور دل کو لے کر
اس سوچ میں پڑا ہوں جاؤں میں یا نہ جاؤں

بربادِ وفا پر اتنا بھی افسوس کرم فرما نہ سکے
تھی ساتھ جنازے کے دنیا، آنا تھا جنہیں وہ آ نہ سکے

اغیار پہ ان کی زلفوں کے ہر رات برستے تھے بادل
مایوسِ وفا کی قسمت کو دو دن کے لیے چمکا نہ سکے

جو ان کی جفا کے سائے میں سکھ چین سے سویا کرتے تھے
وہ گردشِ دوراں کی زد پر ہنستے ہی رہے گھبرا نہ سکے

خود خضرِ سفر کی لغزش نے گمراہ بنایا ہے جن کو
وہ قافلے والے منزل کے تا عمر نشاں بھی پا نہ سکے

کشتی کو ڈبونا بہتر تھا شرمندۂ طوفاں ہونے سے
ہر موجِ تلاطم سے نازش ہمت کی قسم کترا نہ سکے

ابر پارے آسماں پر چھا گئے
اس فضا میں آپ کیوں یاد آ گئے

ان کی پلکوں پر کچھ آنسو دیکھ کر
عرضِ غم پر ہم ہی خود شرما گئے

دل کی دھڑکن جب ذرا بڑھنے لگی
میں یہ سمجھا آپ شاید آ گئے

کیا خبر کیوں ذکرِ سوزِ جاں کے بعد
سننے والوں کو پسینے آ گئے

زندگی کی ہائے وہ منزل جہاں
زندگی سے ہم ہی خود کترا گئے

تھا ابھی نازشؔ انہیں کا ذکرِ خیر
میکدے میں شیخ بھی لو آ گئے

یہ موسمِ ابر یہ بہار، رباب ہوتا شباب ہوتا
کسی کے جامِ نظر میں سمٹا ہوا حسیں ماہتاب ہوتا

ذرا سی گستاخی نظر پر کوئی مجسم عتاب ہوتا
جگر کی دنیا تباہ ہوتی نظام دل کا خراب ہوتا

حریمِ ساقی میں والہانہ بشوق بادہ بہ ذوقِ مستی
نظر نظر کامیاب ہوتی قدم قدم بار یاب ہوتا

تصوراتِ جمیل و نازک نئی حدیثِ بہار لکھتے
حیا سے جھکتی مری نگاہیں وہ شوخ کچھ بے حجاب ہوتا

وہ دیکھتے آئینے میں خود کو اور آئینہ ان کو دیکھتا ہو
جوابِ خلدِ نظر وہ چہرہ خود آپ اپنا جواب ہوتا

عمل کی کوتاہیوں میں نازشؔ کسی کی رحمت کے آسرے پر
نہ فکرِ روزِ سوال ہوتی نہ خوفِ یوم الحساب ہوتا

آج کے دور میں زندگی کی قسم عظمتِ غم کا معیار کوئی نہیں
سوزِ جاں جس فسانے کا عنوان ہو اس کے سننے کو تیار کوئی نہیں

ہر فغاں بن گئی درد کی داستاں شکوہ سنجِ الم ہے گو ہر یک زباں
پاسِ ضبط الم کی بدولت مگر جرأتِ تابِ گفتار کوئی نہیں

دل ز سرتا بہ پا زخمِ بے نام ہے روحِ بے تابِ محروم آرام ہے
ایسے قاتل کو کیا خاک الزم دوں ہاتھ میں جس کے تلوار کوئی نہیں

ہر نظر آئینہ دارِ آزارِ جاں، اشکِ خوں دیدۂ مضطرب سے رواں
دیکھنے کو بہ ظاہر تری بزم میں دردِ الفت کا بیمار کوئی نہیں

وہ مجسّم تغافل جفا آشنا بے نیازِ وفا دشمنِ التجا
کج ادائی کے عالم میں نازشؔ مری زندگانی کے آثار کوئی نہیں

عشق ہی ہے جو رہِ غم کا پتہ دیتا ہے
ہو غمِ عشق تو پھر دل کو مزا دیتا ہے

راز اس کا نہ کہیں پاس ہو، محفل سے مجھے
وہ اشاروں ہی اشاروں میں اٹھا دیتا ہے

جسم میں دوڑتی پھرتی ہے تبسم کی شراب
جب وہ مدہوش نگاہوں سے پلا دیتا ہے

تو نہ ٹھکرا کے گذر سجدۂ الفت کو مرے
دیکھ فردوس ترے در کو بنا دیتا ہے

باندھ لو رختِ سفر دردِ فغاں ساتھ لئے
''پھر کوئی شہرِ نگاراں سے صدا دیتا ہے''

سامنے تو ہے سبب اور مسبب پیچھے
دینے والوں ہی کے پردے میں خدا دیتا ہے

رہنماؤں کے ہوں مرہونِ کرم کیوں نازشؔ
جذبۂ شوق ہی منزل کا پتہ دیتا ہے

فرخندہ طبع تھا، بڑا روشن ضمیر تھا
بچوں کے درمیان جو ساحل پہ پیر تھا

دل کو ہدف بنا کے سکوں جس نے دے دیا
آنکھوں کی دوکمان کا وہ ایک تیر تھا

اٹھ کھیلیوں سے کرتا رہا مجھ کو تازہ دم
نزدیک دل کے عقل کا طفلِ شریر تھا

شمس و قمر تھے اور نہ انجم نہ کہکشاں
میری نظر میں ایک سراجِ منیر تھا

میت نے پائی قبلۂ اول کی سرزمین
واللہ وہ تو جوہرِ برصغیر تھا

اقصیٰ کی سرزمین ہی معراج تھی اسے
''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا''

چھوٹا سمجھ کے مجھ کو نکالا گیا تھا کیوں
ہر کوئی جیش میں طویل و قصیر تھا

غصہ، عتاب یا ہو تبسم بہ التفات
ہر ایک ادا میں آپ وہ اپنی نظیر تھا

نازشؔ مجھے بھی رسم و روایت کا تھا لحاظ
خودساختہ قیود میں وہ بھی اسیر تھا

داستانِ حسرتِ دیوانہ سنتے ہی نہیں
وہ دلِ مجبور کا افسانہ سنتے ہی نہیں

اہلِ محفل رونقِ محفل میں گم ہونے کے بعد
نغمۂ سوزِ دلِ پروانہ سنتے ہی نہیں

دلکشی اتنی ہے کچھ تیرے لبِ مئے بار میں
ہم صدائے ساغر و پیمانہ سنتے ہی نہیں

ہم یگانوں سے بھی وہ کرنے لگے بیگانہ پن
اب وہ رودادِ دلِ بیگانا سنتے ہی نہیں

جن کو بخشا ہے خدا نے کیفِ حسنِ پرسکوں
وہ نوائے آہِ بیتابانہ سنتے ہی نہیں

بادہ خانہ ہے مجھے مجسم جن کی آنکھوں کا سرور
وہ فغانِ سینۂ رندانہ سنتے ہی نہیں

جن سے وابستہ ہے نازشؔ عشق کا ذوقِ نظر
وہ حدیثِ جلوۂ جانانہ سنتے ہی نہیں

اگر سفر میں زندگی کے ساتھ دوست کا نہیں
قسم خدا کی زندگی میں پھر کوئی مزہ نہیں

وہ کیا سمجھ سکے گا فلسفہ وجود و ہست کا
کہ جس کو زندگی میں اپنے آپ کا پتا نہیں

غموں کو جان کر خوشی گزار لیں گے زندگی
ہمارے غم سے خوش ہیں آپ پھر تو کچھ گلا نہیں

سمجھ میں آ سکے گا آپ کو نہ دردِ دل مرا
یہ دکھڑا گر سماعتِ قلوب سے سنا نہیں

اگر ہے موت مر ہی جائیں گے ادائے یار پر
نہیں مریں گے دار پر بھی جا کے گر قضا نہیں

مسائلِ حیات میں ضمیر سے لے مشورہ
ضمیر سے تو بڑھ کے تجھ کو کوئی رہنما نہیں

تو شمع سے نہ پا سکے گا عشق کی سند کبھی
ابھی تو تیرے پر جلے ہیں دل ابھی جلا نہیں

اے یادِ یار اب نہ آ دلِ خراب کی طرف
متاع جو تھی لٹ گئی یہاں کچھ اب دھرا نہیں

ادھوری عقل ہے مری مگر دلِ تمام ہے
بھروسہ کر تو سکتے ہیں میں آدمی برا نہیں

بہت سے سائے سر پہ تھے مگر ہے یہ بھی طئے شدہ
کہ حضرتِ غفور جیسا سایۂ ہما نہیں

قطعہ

نیاز ساختہ ہوں میں کہ ناز ساختہ ہے تو
مجھے بنادیا ہے ہاں تجھے بنادیا نہیں
نہیں کا حرف خاص سننے آگیا ہوں دور سے
تو ایک بار منھ بناکے بول دے ذرا نہیں

سمجھتا ہوں کہ میں تجھ سے نہاں ہوں
نہاں ہو کر بھی میں تجھ پر عیاں ہوں

ملائک کو ہوا کل رشک جس پر
وہی تو میں خراب خانماں ہوں

سعادت امتثالِ امر میری
کہ میں مامورِ ربِ کن فکاں ہوں

جو ہوں تو اشرف المخلوق ہوں میں
نہیں ہوں تو غبارِ کارواں ہوں

جو پوچھا کیا ہے قربانی کو تیار
تڑپ کر کہہ دیا میں نے کہ ہاں ہوں

ہوا دو پل شریکِ بزم درویش
خبر مجھ کو نہیں اب میں کہاں ہوں

فرشتوں نے جسے ڈھونڈا نہ پایا
میں وہ سر جہانِ ایں و آں ہوں

غزل سن کر مری کہتا ہے واعظ
کہ دل بھی ہے جواں میں بھی جواں ہوں

تغزل کی لطافت، چشمِ بد دور
غزل کے تاج کا شاہ جہاں ہوں

مری تلخی کھلے چاہے کسی کو
میں حق کہتا ہوں نازشؔ حق بیاں ہوں

تخلص بعد میں نازشؔ ہے میرا
کہ اس سے پہلے میں اردو زباں ہوں

میرے جیون کا ہر پیار تیرے لئے
میرے گیتوں کا سنسار تیرے لئے

تیرا پر تو شبِ ماہ کی چاندنی
گلفشاں ہیں چمن زار تیرے لئے

تو ہے فطرت کا نقشِ جمیل وحسیں
کہکشاں ہے پرستار ترے لئے

ابنِ مریم بھی دیکھیں تو ہو جائیں گے
جان دینے کو تیار تیرے لئے

آ گیا کھنچ کے پلکوں پہ دل کا لہو
میں نے گوندھا عجب ہار تیرے لئے

کیوں نہ رنگین خاکے بناتی رہے
فطرتِ حسنِ فنکار تیرے لئے

جائسی کی لطافت تبسم ترا
میر و غالب کے افکار تیرے لئے

چشم نرگس کی جانب کبھی اک نظر
کب سے ہے وقفِ دیدار تیرے لئے

اے مسیحائے دردِ دلِ عاشقاں
تیرا نازشؔ ہے بیمار تیرے لئے

مطربا! ہوش سے بیگانہ بنادے مجھ کو
غزلِ حافظِ شیراز سنادے مجھ کو

غم کے عالم میں بھی بخشے جو مجھے کیفِ نشاط
وہ شرابِ نظر آمیز پلادے مجھ کو

پا ہی لوں گا میں کبھی تابشِ خورشیدِ جمال
کوچۂ یار کے ذروں میں ملادے مجھ کو

طنز کردے نہ کہیں مجھ پہ بھی انجامِ کلیم
طاقتِ دیدِ رخِ ہوش ربا دے مجھ کو

جذب ہوتے اسے دیکھا تھا نگاہوں میں تری
اپنے نازشؔ کا ذرا کچھ تو پتہ دے مجھ کو

ضربِ نگاہِ ناز سے زخمِ جگر جو چھل گیا
عشق وفا شعار کو لطفِ حیات مل گیا

پرسشِ غم کو آگئے آج وہ اتفاق سے
موسمِ گل سے پیشتر غنچۂ شوق کھل گیا

ترکِ تعلقات کا مرحلۂ ستم سہی
اے دلِ مدعا طلب کوئی صلہ تو مل گیا

انجمن جمال میں جنبشِ یک نظر کے ساتھ
آہ کسی کی جاں گئی آہ کسی کا دل گیا

چین نہ مل سکا کبھی راہِ جنونِ عشق میں
دامنِ دل الجھ گیا چاکِ جگر جو سل گیا

نازشؔ درد آشنا تونے یہ آج کیا کیا
تری فغانِ درد سے عرش عظیم مل گیا

ہے یہی بس اک تمنائے دلِ اندوہ گیں
آپ کا ہو آستانہ اور میری ہو جبیں
برہمی اور اس کے اوپر وہ نگاہِ خشمگیں
خاک ہوکر رہ گیا ہے خرمنِ قلبِ حزیں
جس زمیں پر وجہِ تسکینِ آستانِ ناز ہے
جنت الفردوس سے کچھ کم نہیں ہے وہ زمیں
باوجودِ ضبطِ گریہ، آپ کی وہ ہچکیاں
وقت رخصت آپ کی وہ چشم ہائے آبگیں
یہ وہی اشکِ رواں ہیں رازِ دارِ زخم دل
ایک مدت تک رہے آنکھوں میں یہ پردہ نشیں
خوش نما پیکر ہے تیرا ہے مجھ کو سامان غزل
دلبرانہ ہر ادا، ہر چال تیری دلنشیں
میرے دل نے تیرا لاکھوں میں کیا ہے انتخاب
دوسرا بھی ہو کوئی، تیرے سوا ممکن نہیں

کس سے امان چاہیں یہاں کس سے لیں پناہ
ہر کوئی پھر رہا رہے یہاں پر قضا لئے

آنے سے پہلے محفلِ ھُو حق میں شیخ نے
حسن و شباب کے سبھی قضیے چکا لئے

شاید کسی کے واسطے تھی منتظر نگاہ
سوئے لحد گیا ہے کوئی چشمِ وا لئے

آجایئے کہ اب تو کسی کا خلل نہیں
بیدار تھے جو زخم تھپک کر سلا لئے

دنیا کے اس قیام میں ہر شخص حسبِ نظر
لے جاتا ہے دعا تو کوئی بد دعا لئے

روداد دل سنانے کو کوئی نہ جب ملا
خود اپنے دل کو ہم وہ قصے سنا لئے

پھر بھی ہے دور قوم رہِ مستقیم سے
ام الکتاب جیسا بڑا رہنما لئے

کیا عشق تھا وہ، جب یہ سنا، دانت گرگیا
دندان جتنے منھ میں تھے وہ سب گرالئے

دیکھو ہمارا ظرف، غمِ دل، غمِ جہاں
سب ہنستے ہنستے دوش پہ ہم نے اٹھا لئے

رسوائیوں میں نام جو آیا تو دفعتاً
میرے گناہ رحمت حق نے چھپا لئے

آنکھوں میں اشک، دل میں کسک ،روح میں خلش
لوٹا ہوں ان کے در سے وفا کا صلہ لئے

ہم جنوں زادۂ عالمِ عشق ہیں آ گہی سے کہو ہم سے بچکر چلے
جس کا انجام ظلمت ہو اس عقل کی روشنی سے کہو ہم سے بچکر چلے

عشقِ خوددار قدرت نے بخشا ہمیں، ہم گدایانہ احساس سے دور ہیں
سیم و زر کے پرستار ماحول کی بے خودی سے کہو ہم سے بچکر چلے

دل سے ہیں قدر داں جنسِ اخلاص کے وہ زمانے میں چاہے کہیں پر ملے
جو نفاق و کدورت سے بھر پور ہو اس ہنسی سے کہو ہم سے بچکر چلے

چشم مئے بار ہے میکدہ آفریں ،ساغر وجام کی کچھ ضرورت نہیں
آنکھوں آنکھوں میں پینے کے عادی ہیں ہم میکشی سے کہو ہم سے بچکر چلے

غم ہی اک باعثِ کامرانی ہوا، غم ہی سرمایۂ زندگانی ہوا
خوگرِغم ہیں ہم، ہم ہیں غم کے دھنی ،ہر خوشی سے کہو ہم سے بچکر چلے

لاکھ پاسِ ادب سے چلے گفتگو کچھ نہ کچھ چھیڑ پاتی ہے اس میں نمو
رفتہ رفتہ نہ ہوجائے دل کی لگی، دل لگی سے کہو ہم سے بچکر چلے

موت نازشؔ ہمارے لئے زندگی خود ہی راہ محبت میں بن جائے گی
جادۂ صبر الفت کا دستور ہے زندگی سے کہو ہم سے بچکر چلے

حسن و کمال میں تو وہ یکتا خزانہ تھا
اپنے وجودِ ناز میں درِ یگانہ تھا
کچھ لوگ دور ہی سے تماشائی تھے کہ جب
برقِ تپاں کی زد میں مرا آشیانہ تھا
دیکھا جو اس نے شوخ نظر سے مری طرف
چین و سکوں کا قافلہ دل سے روانہ تھا
خود بھی ہوا ذلیل مجھے بھی کیا ذلیل
جب مشورہ خرد کا مرے دل نے مانا تھا
پی لیتے کاش جرعہ کوئی چشمِ مست کا
تھا ابر آسمان پہ موسم سہانا تھا
لیکر زکاۃ حسن کی دربار سے تیرے
میں جارہا تھا سامنے پیچھے زمانہ تھا
ان کی انائے ذات پہ جو چوٹ کرگئی
اس بات کو زبان پہ ہرگز نہ لانا تھا
حیرت کی بات یہ تھی کہ کل بزمِ وعظ میں
رندوں پہ طرزِ شیخ بڑا مشفقانہ تھا
نازشؔ کے شعر پر یہ ہوا ان کا تبصرہ
خالی نہیں تھا عیب سے پھر بھی برا نہ تھا

شیخ صاحب وعظ فرمانے گئے تھے میکدے
جب پلٹ کر آئے تو انداز کچھ رندانہ تھا

مرد آہن کو لگی جب نرم آنچل کی ہوا
رستم و سہراب بھی پھر عاشقِ سلطانہ تھا

عقل کی لالچ پہ بزم زر میں جا کر خوار تھا
دل یہ کہتا تھا کہ تجھ کو اس جگہ جانا نہ تھا

ہوگیا لمحہ وہ ساری زندگی پر منبسط
کہہ رہا تھا میں غزل مہماں وہ زیب خانہ تھا

ترکِ الفت نے تعلق اور مستحکم کیا
تھی تری تقصیر مجھ کو دیر میں پہنچانا تھا

جانِ من دل لے چکے تو فکرِ قیمت چھوڑ دو
حسن کے دربار میں عاشق کا وہ نذرانہ تھا

عمر کے لمحات میں لمحہ تھا وہ بھی تو اہم
جس میں اپنا خاص جگری دوست بھی بیگانہ تھا

جب کھلی چشمِ تمنا صبح، تو ہم پر کھلا
''خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا''

کیا تسلی پائے نازشؔ کرکے ہم سیرِ جہاں
جب نگاہوں میں بسا وہ کوچۂ جانا نہ تھا

مرضی ہے ان کی یا وہ مجھے سرخرو کریں
یا بزم سے نکال کے بے آبرو کریں

دیر وحرم کو چھوڑ کے اب کوہِ دشت میں
تحصیلِ مدعا کے لئے جستجو کریں

مینا یہ آرزو تو ہے از فرش تا فلک
دو ایک کی ہو بات تو ہم آرزو کریں

ہے یومِ عید بیٹھے ہیں کیوں منھ بسور کے
ہر کلفتِ زمانہ کو نذرِ سبو کریں

ہم بوریہ نشینوں کے ظاہر پہ تو نہ جا
''دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں''

ہو سیدھی سادھی بات ہوتی ہے منشرح
تغلق بنے وہ ار جو اس میں غلو کریں

لے دے کے عاشقوں کو یہی رہ گیا ہے کام
دامانِ دل سئیں کہ جگر کو رفو کریں

پہلے صلاۃِ بادۂ حب کے یہ شرط ہے
شیشہ صراحی جام و سبو قبلہ رو کریں

عالم اس نظام میں آئے گا انقلاب
دیوانے جب کہ وجد میں اللہ ھو کریں

مدت کے بعد دل میں ارادہ ہوا ہے یہ
اظہار آرزوؤں کا اب رو برو کریں

سر ان کے پاؤں پر ہو دھرا اور موت آئے
ایسی ہو موت جس کی تمنا عدو کریں

مٹتا ہے ان کے نام سے ہر اضطراب دل
لینا ہو ان کا نام تو پہلے وضو کریں

زلفِ دراز ایک تھی دو نیم ہو گئی — شب تھی بہت سیاہ جو تقسیم ہوگئی
ان کی نگاہِ لطف کا کوئی نہیں اصول — تخصیص ہوگئی کبھی تعمیم ہوگئی
چسپاں ہر ایک جام پہ تصویرِ چشم ہے — لو میکدے کی یوں نئی تنظیم ہوگئی
جاتے ہوئے ملے جو گلے، گر گیا قلم — اتنی ہی بات باعثِ ترمیم ہوگئی
ان کی وہ سانس جو گئی حلقوم میں میرے — قلب و جگر کے بیچ میں تقسیم ہوگئی
ہر مسئلہ ہے اصل سے اپنی جڑا ہوا — بعدِ طلاق سورتِ تحریم ہوگئی
یہ عیش کوش علم کا کیا حق ادا کریں — تفریح طالبوں کو یہ تعلیم ہوگئی
تنظیمِ گلستاں کا کرے اعتبار کیا — تنسیخ ہوگئی کبھی ترمیم ہوگئی
اردو میں ایک اضافۂ دلکش ہوا تو ہے — تفسیر کے جو نام سے تفہیم ہوگئی
جو ان کے در سے تھوڑی خوشی بھی ہوئی نصیب — پہلے الف تھی لام سے پھر میم ہوگئی

کرّوبیوں کو رشک کا سرمایا ہوگیا
جب ذات میری احسنِ تقویم ہوگئی

نہیں تھا وقتِ گریہ ہوش اتنا متاعِ دل بھی آنکھوں سے بہادی
خجل ہوں، حسن کے تیور کو میں نے دعا کم دی زیادہ بد دعادی
جو میں نے جمع کی تھی ریزہ ریزہ ترے قدموں پہ وہ دولت لٹادی
بھڑک کر پھونک ڈالا اک جہاں کو وہ چنگاری جسے تم نے ہوادی
ہوا جب معرکہ اہلِ صنم سے تو مسجد ایک ہی شب بنادی
نہیں ہے کہ خضر کیوں تہذیبِ نو کا کہ جب ہر قوم میں آیا ہے ہادی
قفس سے اڑ چکا ہے ایک پرندہ عدم آباد سے کس نے صدادی
ہوں نو آباد میں تیری زمیں کا کہ رفتہ رفتہ ہو جاؤنگا عادی
ہوں اس کا کشتۂ حسنِ تکلم کے جس کا نام ہے اشرف رشادی
فضا میں ہوگئے تحلیل نغمے یہ کس نے دور سے مجھ کو صدادی
میں پہنچا وقت آخر میکدے جب جو تلچھٹ تھی وہ ساقی نے پلادی
ملا پھر بھی مجھے تاجِ خلافت فلک ٹھہرا چکا مجھ کو فسادی
ہے طفلِ تپ زدہ اک پالنے میں چلو جا گیں گے شب آدھی آدھی
اب آگے آپ جو چاہیں کریں وہ جو دل میں بات تھی ہم نے سنادی

وہ کیا تصویر تھی پردے کے پیچھے
دکھا کر ایک جھلک فوراً چھپا دی

نہ دل لگی کی نہ دل کی لگی کی بات کرو
دیا ہے جس نے غمِ دل اسی کی بات کرو

بنائے عظمتِ آدم ہو جس سے مستحکم
جو ہو سکے تو اسی آدمی کی بات کرو

بہت دنوں سے خرد ہے زوال آمادہ
جنوں کا ذکر کرو بے خودی کی بات کرو

جو آج تک نہ جدا ہو سکا خیالوں سے
شبانہ روز اسی اجنبی کی بات کرو

قدیم دور کی تاریکیوں سے بچنے کو
نئے شعور نئی روشنی کی بات کرو

جو ترجمانِ ضمیرِ عوام ہو نازشؔ
جدید دور میں اس شاعری کی بات کرو

تیرے رخ پر اس طرح پھیلیں حسیں پرچھائیاں
کہکشاں لیتی ہو جیسے جھوم کر انگڑائیاں
آپ یوں دیکھیں نہ خاص انداز سے دل کی طرف
زخمِ جاں کی اور بھی بڑھ جائیں گی گہرائیاں
وہ ہی وہ ہر سو نظر آئے مجھے زیبِ خیال
یاد آئیں جب بھی ماضی کی حسیں تنہائیاں
دلکشی اتنی نہیں تھی میرے تغزل میں کبھی
ڈھل گئی ہیں شعر میں شاید تری پرچھائیاں
قولِ غالب کے مطابق اے دل بربادِ غم
''یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں''
آ گیا تھا یونہی ہونٹوں پر مرے ذکرِ شراب
شیخ صاحب آپ کیوں لینے لگے انگڑائیاں
میری آنکھوں میں سمٹ آیا ہے نازشؔ باغِ خلد
اللہ اللہ ان کے جلوؤں کی کرم فرمائیاں

جب کسی تازہ غزل کی فکر فرماتا ہے دل
حسن کی رنگیں ادا کا عکس بن جاتا ہے دل

لالہ زارِ شوق میں کھلتی ہے جب کوئی کلی
آپ اپنی آرزو پر پھول برساتا ہے دل

بارہا دیکھا ہے یہ بھی انتہائے شوق میں
یاد فرماتے ہیں وہ میرا تڑپ جاتا ہے دل

خود ہی بن جاتے ہیں وہ جلوۂ حجابِ روئے دید
جب قریبِ چشمِ دل، ان کو کبھی پاتا ہے دل

رہنما بن کر محبت کی رہِ احساس میں
مجھ کو رازِ منزلِ مقصود سمجھاتا ہے دل

ذہن میں رہتا نہیں مستقبلِ غم کا خیال
بے ارادہ جب کسی کے حسن پر آتا ہے دل

چھیڑ کر نازشؔ ربابِ عشق کے ہر تار کو
وجد کے عالم میں خود میری غزل گاتا ہے دل

نگاہِ یار ملی یوں کبھی کبھی تنہا
اک اجنبی سے ملے جیسے اجنبی تنہا

خود اپنی انجمنِ ناز میں بسا اوقات
اداس اداس سے رہتے ہیں آپ بھی تنہا

کبھی ملا نہ کوئی راز دارِ زخمِ حیات
گزر گئی ہے محبت میں زندگی تنہا

تیرے خیال نے بھی جب نہ کی رفاقتِ دل
''چلی ہے لے کے مجھے میری بے کسی تنہا''

یہ شرعِ پیرِ مغاں کا ہے حکم بادہ کشو
غلط ہے سلسلۂ دورِ میکشی تنہا

جنوں کے عالمِ بے گانۂ دو عالم میں
کسی کے کام نہ آئے گی آگہی تنہا

سمجھ کے راہبروں کو بھی راہزن نازشؔ
خود اپنی منزلِ مقصد تلاش کی تنہا

کی محبت ہے تو پھر ضبط کی عادت ڈالو
آہ کرنا بھی ہے مذموم، محبت والو

بادۂ عشق کے مستوں کو نہیں جینے دیا
ہے یہ دنیا بڑی مسموم محبت والو

حسن اور عشق سے قائم ہے بنائے عالم
ہیں یہ دو لازم و ملزوم محبت والو

غم کو راحت جو سمجھ لو تو بڑی بات ہے یہ
ورنہ ہے عیش تو معدوم محبت والو

ہیں تمہارے لئے یاس وغم واندوہ ملال
لوحِ تقدیر پہ مرقوم محبت والو

رنج و آلام و مصائب کو مقدر جانو
ہے یہی عشق کا مفہوم محبت والو

کر دیا آج ہے نازشؔ نے غزل کی صورت
اپنے جذبات کو منظوم محبت والو

غیر سے سن کر وہ میری داستاں
سر جھکا کر خود پشیماں ہو گیا

زحمتِ چارہ گری کیوں چارہ گر
درد ہی اب دل کا درماں ہو گیا

جس کو سمجھا تھا متاعِ زندگی
اشک وہ بھی زیبِ داماں ہوگیا

سن کے محفل میں میری رودادِ غم
دوست شاداں ، غیر نالاں ہو گیا

تیری محفل کا کرشمہ ہی تو ہے
آج ملّا بھی غزل خواں ہوگیا

پھول جب سمٹے تو تربت بن گئی
پھول جب بکھرے گلستاں ہوگیا

حادثوں سے اس قدر کھیلا کیا
''حادثوں کا نام انساں ہو گیا''

میرا ہر ہر شعر نازش میرے بعد
رونقِ بزمِ نگاراں ہوگیا

ہر کسی کو زندگی ہے نعمتِ راحتِ فزا
قدر اس کی کی نہ جائے تو یہ ہوتی ہے سزا

کیا سنائیں داستانِ زندگانی آپ کو
جی رہے ہیں آپ کی یادوں کا لے کر آسرا

شیوۂ منصور کے نقاد یہ بھی جان لے
تھا وہ دیوانہ رسن کا تھا وہ رسیا دار کا

چھوڑ دے گا آج تو سیماب بھی شیشے کا ساتھ
محوِ آرائش ہے پیشِ آئینہ اک مہہ لقا

نورِ ذاتِ حق نہیں ہے صرف محدودِ حرم
چشم بینا کے لیے ہر شئے میں ہے نورِ خدا

شیخ کی تنگ ظرفیوں ہٹ دھرمیوں کو دیکھ کر
آج نازشؔ نے کیا ہے ادّعائے اتّقا

ساون کا ہے مہینہ موسم ہے عاشقانہ　　دل میں مچل رہے ہیں جذبات والہانہ
پہلے پہل تھی ان کی ہر بات عاجزانہ　　ہے آجکل ادائے دلکش بھی جارحانہ
جس آرزو کا مدت سے دل رہا ٹھکانہ　　اس گھر کو چھوڑ ، کب کا وہ ہوچکی روانہ
صحرا کی ریت پر ہم بیٹھے ہوئے ہیں کب سے　　کالی گھٹا کا تن جائے کاش شامیانہ
جب اس نے کھول ڈالیں اپنی گھنیری زلفیں　　میرے پرندۂ دل کو مل گیا ٹھکانہ
سیدھی نظر نہیں تو ترچھی نظر سے دیکھو　　دیکھو کسی نظر سے دل کو کرو نشانہ
اک لمحہ کی خطا نے ہستی مٹا کے رکھ دی　　نقش اس کا محو کرنے، لگ جائے گا زمانہ
وعدہ لیا جو کل کا وہ یوں بگڑ کے بولے　　اچھا نہیں ہے دیکھو یوں روز آنا جانا
دیکھو تو کون طائر پرواز کر گیا ہے　　کیوں آ گیا اچانک حرکت میں آشیانہ
سنتے ہیں اہلِ دل بھی میرا کلام دل سے　　غزلوں میں ہے نمایاں مضمونِ عارفانہ

عیب و ہنر نما ہوں خائف ہیں لوگ مجھ سے
میرا تو کام نازش ہے آئینہ دکھانا

خوب سے خوبتر ہوا نقشہ مرے ضمیر کا
جب سے دور ہوگیا دل میں مہہِ منیر کا

تجھ سے کوئی گلہ نہیں اے مرے دلبر حسیں
مارا ہوا ہوں میں تو خود اپنے دلِ شریر کا

قائل نہ ہوسکا کبھی فطرت میں بیش و کم کا میں
میں تو وہی فقیر ہوں ڈالی ہوئی لکیر کا

راہ کے نام سے کوئی بے راہ مجھ کو کر گیا
مان لیا تو مشورہ میں نے کسی مشیر کا

طائرِ دل نے جا لیا عرش کو ایک جست میں
ناچیز اک مرید ہوں عبد الغفور پیر کا

میں کیا میری بساط کیا یہ تو کرم ہے آپ کا
آپ کی ذاتِ پاک پر نازاں ہے دل فقیر کا

سن کر مرے کلام کو کہتے ہیں یہ زبان داں
غالبؔ کا رنگ ہے کبھی ہے کبھی رنگ میرؔ کا

آواز سخت میں کوئی گائے غزل تو الحذر
ہو نہ سکے گا ہضمِ گوش شور کسی حمیر کا

تیرے علاج سے طبیب اچھا نہ ہو سکوں گا میں
کھایا ہوا ہوں زخم اک شوخ نظر کے تیر کا

در پہ سمٹ کے آگیا نازشؔ درد آشنا
پہنچی ہے خاک اس جگہ اس کا جہاں خمیر تھا

دل میں رکھتا ہوں جو دردِ انسانیت، جس کے قول وعمل میں ہو یکسانیت
ڈھونڈتا ہوں میں ایسے ہی انسان کو، یہ نہیں جستجو اک فرشتہ ملے

تو مری ذات سے تو مرے نام سے بھاگتا ہے تو بھاگے مگر جان لے
تیری اس وقت کیا ہوگی حالت کہ جب کوچے کوچے میں میرا ہی چرچا ملے

اپنے جلوؤں کی کثرت سے گھبرائے گا ،چشم نظارہ کی پھر کمی پائے گا
تو بھی اس وقت چاہے گا بے اختیار چاہت والا تجھ کو بھی شیدا ملے

درد ہی سوز ہے درد ہی ساز ہے، زندگانی کا اک درد ہی راز ہے
زندگی بھر کو اک درد کافی نہیں درد پر درد اس کے علاوہ ملے

آپ کی سطحِ بالائے قد ہوچکی میرے مایوس ارماں کی حد ہوچکی
تیری مرضی یہی ہے تو راضی ہوں میں اب تو بس صبر ہی میرے مولیٰ ملے

سایہ دو لمحے کوئی بھی دیتا نہیں راہ سیدھی بھی کوئی دکھاتا نہیں
اجنبی شہر کی کوچہ گردی میں ڈھونڈتا ہوں کوئی اک شناسا ملے

دل میرا جو پڑا تھا کہیں راہ میں چل دئے جھٹ سے وہ پلو میں باندھ کر
ان کی خواہش یہی تھی بلا دام ہی راستے میں کوئی مال سستا ملے

راہ میں راہ رو میں توافق رہے تو مسافر سفر میں مطابق رہے
چاہے پیادہ کہ اک اس کو رستہ ملے، چاہے رستہ کہ اس کو پیادہ ملے

آج کے خشک ماحولِ بے ذوق میں، دل اکیلا چلا ہے رہِ شوق میں
میرا دل بھی ہے یوسف سے بڑھ کر حسیں، میرے یوسف کو بھی اک زلیخا ملے

آسماں پر گھنیرے وہ بادل اٹھے، اور جذباتِ دل بن کے پاگل اٹھے
اے میرے ساقیا دستِ مئے بار سے جام اک مجھ کو مملوئے بادہ ملے

بامِ رفعت سے نازشؔ یہ اعلان، خونِ جگر پر یہ فیضان ہے
جس کی ہر سانس میں ایک طوفاں ملے ،جس کی ہر آہ میں اک الاوہ ملے

نہ چمن میں نہ آبشاروں میں
دلکشی ہے جو گل عذاروں میں
پھر سے کرنی پڑے گی مشقِ سخن
بات کرتے ہیں وہ اشاروں میں
عیدِ قرباں سے کم نہیں مجھ کو
نام لکھتے ہیں وہ پیادوں میں
آسماں ساتھ میرے روتا ہے
ابر شامل ہے اشکباروں میں
کوثر و سلسبیل سے بڑھ کر
تیرا نظارہ ہے نظاروں میں
حشر میں کاش نام آجائے
میرا بھی تیرے غم کے ماروں میں
تو اٹھا کر ہی دیکھ لے فہرست
ہے یہ نازشؔ بھی دل فگاروں میں

رو پوش اس جگہ کوئی موسیٰ ضرور ہے
ہر ذرہ اس مقام کا اک کوہِ طور ہے

ہے اوڑھنا بچھونا خیال آپ کا مجھے
خادم کا کچھ خیال بھی کہیے حضور ہے

رنگینیٔ بہارِ سخن جا بسی کہاں
کیوں محفل سخن پہ سکوتِ قبور ہے

پابندِ حکمِ ناز ہے شاید کہ یاد بھی
اب یاد بھی تو آئی نہیں مجھ سے دور ہے

اک عالمِ خیال میں ڈوبا ہوا ہوں میں
تنہائیاں ہی میں ہوں دلِ ناصبور ہے

ہے ایک اسمِ ذات، ہزاروں صفات ہیں
مصدر ہزار کرنوں کا اک ماہ نور ہے

یوں تو انھوں نے سب کو ہی جھوٹی پلائی تھی
تو نے جو پی نہیں تو یہ تیرا قصور ہے

کوتاہی کیجئے نہ کوئی غم دہی میں آپ
غم آپ کا مرے لیے وجہ سرور ہے

نازشؔ کا نام سن کے خفا کیوں ہوئے ہیں آپ
بندہ نواز! بندہ تو یہ بے قصور ہے

غالب و میر کے افکارِ مرصع کی دلیل
تو ہے میری غزلِ تازہ کا عنوانِ جمیل

موجِ کوثر کی روانی ترا انداز خرام
تیری آوازِ تکلم ہے نوائے جبریل

قدِ موزوں میں نہاں صانع قدرت کا جمال
تیری رفتار قیامت کی نشان تکمیل

تیرے ہونٹوں کی لطافت ہمہ کیف وسرور
نشۂ دیدِ نظارہ کو ہو زمزم کی سبیل

کیوں نہ تقدیر پہ نازاں ہو مری سعیِ گناہ
تیری رحمت ہے اسے حشر شفاعت کی کفیل

میری قسمت بھی بدل دے تو ترا احساں ہو
اک اشارے سے ترے نظم جہاں ہو تبدیل

تو اگر نظمِ حسیں کے لیے اصرار کرے
تیرا نازشؔ کرے اس حکم کی دل سے تعمیل

بربادِ وفا پر اتنا بھی افسوس کرم فرما نہ سکے
تھی ساتھ جنازے کے دنیا آنا تھا جنھیں وہ آنہ سکے

اغیار پہ ان کی زلفوں کے ہر رات برستے تھے بادل
مایوسِ وفا کی قسمت کو دودن کے لیے چمکانہ سکے

جو ان کی جفاکے سائے میں سکھ چین سے سویا کرتے تھے
وہ گردشِ دوران کی زد پر ہنستے بھی رہے گھبرانہ سکے

خود خضرِ سفر کی لغزش نے گمراہ بنا یا ہے جن کو
وہ قافلے والے منزل کے تاعمر نشاں بھی پانہ سکے

کشتی کو ڈبونا بہتر تھا شرمندۂ طوفاں ہونے سے
ہر موجِ تلاطم سے نازشؔ ہمت کی قسم کترانہ سکے

ابر پارے آسمان پر چھا گئے
اس فضا میں آپ کیوں یاد آگئے

ان کی پلکوں پر کچھ آنسو دیکھ کر
عرضِ غم پر ہم بھی خود شرما گئے

دل کی دھڑکن جب ذرا بڑھنے لگی
میں یہ سمجھا آپ شائد آگئے

کیا خبر کیوں ذکر ِ سوزِ جاں کے بعد
سننے والوں کو پسینے آگئے

زندگی کی ہائے وہ منزل جہاں
زندگی سے ہم ہی خود کترا گئے

تھا ابھی نازشؔ اِنھیں کا ذکرِ خیر
میکدے میں شیخ بھی لو آگئے

یہ موسمِ ابر یہ بہاریں ، رباب ہوتا شباب ہوتا
کسی کے جامِ نظر میں سمٹا ہوا حسیں ماہتاب ہوتا

ذراسی گستاخیِ نظر پر کوئی مجسم عتاب ہوتا
جگر کی دنیا تباہ ہوتی نظام دل کا خراب ہوتا

جوابِ خلدِ نظر وہ چہرہ خود آپ اپنا جواب ہوتا
حریفِ شاخ گلابِ عارض ،بہشتِ حسن وشباب ہوتا

حریمِ ساقی میں والہانہ بشوقِ بادہ بذوقِ مستی
نظر نظر کامیاب ہوتی قدم قدم باریاب ہوتا

تصوراتِ جمیل ونازک نئ حدیثِ بہار لکھتے
حیاسے جھکتی مری نگاہیں وہ شوخ کچھ بے حجاب ہوتا

عمل کی کوتاہیوں میں نازشؔ کسی کی رحمت کے آسرے پر
نہ فکر روزِ سوال ہوتی نہ خوفِ یوم حساب ہوتا

حسین یادوں سے تڑپایا گیا ہوں
سکونِ دل کو ترسایا گیا ہوں

جہاں ان کی تجلی مل گئی تھی
وہیں کھویا ہوا پایا گیا ہوں

نہیں محشر سے کم جن کا سُلجھنا
میں ان زُلفوں میں الجھایا گیا ہوں

وفا جن کے مقدر میں نہیں ہے
میں ان وعدوں سے بہلایا گیا ہوں

زہے قسمت کہ دیوانہ سمجھ کر
بنامِ ہوش سمجھایا گیا ہوں

ازل سے عالمِ ہستی میں نازشؔ
قضا کے دوش پر لایا گیا ہوں

ترے کرم کا یہ کتنا بڑا سہارا ہے
مری نگاہ جہاں ہے وہیں نظارا ہے

سفینہ بحر محبت میں یہ سمجھ کے بڑھا
ہر ایک موج تلاطم یہاں کنارا ہے

پسِ فنا بھی اسے چین آ نہیں سکتا
وہ بدنصیب! جسے زندگی نے مارا ہے

اٹھا کے آئینہ تو بھی تو دیکھ لے ظالم
تری نظر سے مرا عشق آشکارا ہے

تری جو تیری یاد کے ہر زخم کو سکوں بخشے
مجھے وصال سے وہ دردِ ہجر پیارا ہے

فضا میں گونج رہی ہے حسین شہنائی
یہ کس نے دور سے نازشؔ مجھے پکارا ہے

تمھیں حق ہے تمھیں لوٹو بہارِ گلستاں تنہا
نصیبِ دردِ مندانِ چمن ہے اب خزاں تنہا

مصیبت کی کہانی سننے والا کون تھا آخر
کہی خود اپنے دل سے ہم نے اپنی داستاں تنہا

بسا اوقات آیا پرسشِ احوالِ دل کرنے
قفس کی خلوتِ غم میں خیالِ آشیاں تنہا

مسلسل خضرِ منزل کا ہلاک رہزنی ہوکر
پلٹ آیا ہوں میں ہی اک شریکِ کارواں تنہا

ہے کون ایسا کہ جس کو خلوتِ غم راس آئیگی
چلے ہیں آپ کس جانب نصیبِ دشمنان تنہا

ہمیں ناکام لطف بزم ہوکر خود چلے آئے
کسی کی انجمن سے آج با آہ فغاں تنہا

محبت میں بہر عالم حقیقت ہے یہی نازشؔ
مرا دل ہی رہے نہ صرف میرا رازداں تنہا

پرنم آنکھیں اترا چہرہ حال پریشاں اللہ اللہ
ایک مرے دل پے یہ نوازش اے غمِ جاناں اللہ اللہ

اے دلِ مضطر چین سے سو جا وقت یہی ہے سو جانے کا
سایہ فگن ہے دوش پہ میرے زلفِ پریشاں اللہ اللہ

غنچہ وگل مغموم وفسردہ ڈالی ڈالی مردہ مردہ
فصلِ بہاراں میں یہ نظامِ صحنِ گلستاں اللہ اللہ

صحنِ دل میں بھولے بسرے کچھ افسانے باقی ہیں
تجھ کو کہاں سے ڈھونڈ کہ لائیں صحبتِ یاراں اللہ اللہ

چارہ گروں کی کوششِ پیہم کر نہ سکی تاعمر جسے کم
اب بھی وہیں موجود ہے دل میں سوزشِ پنہاں اللہ اللہ

کتنا طرب انگیز زمانہ تھا وہ نشاط آمیز زمانہ
ہم کو میسر تھی جب نازشؔ بزمِ نگاراں اللہ اللہ

پھر کوئی کافر ادا ہے سامنے
گویا میرا مدعا ہے سامنے

اضطرابِ دل کی تسکیں کے لیے
پھر وہ حسنِ دل ربا ہے سامنے

ہر نظر ہے آج سر تاپا جمال
سوچتا ہوں آج کیا ہے سامنے

کچھ ذرا رفتارِ ہمت تیز کر
ابتو ساحل ناخدا ہے سامنے

میں ہوں اور محویتِ حسنِ تمام
کون آئینہ نما ہے سامنے

دیدۂ گستاخ اس کی لاج رکھ
آج وہ جانِ حیا ہے سامنے

تک رہا ہوں ان کو نازشؔ اس طرح
جیسے میرا مدعا ہے سامنے

نازِ فردوسِ بریں رشکِ گلستاں تم ہو
میری رنگین غزل کے لیے عنواں تم ہو

حاصلِ مئے کدۂ فصلِ بہاراں تم ہو
مست آنکھوں کی قسم جانِ خمستاں تم ہو

تم پہ قربان کردوں ہر بتِ ایماں دشمن
کتنی پرکیف وحسین صنعتِ یزداں تم ہو

اپنے اس کفر پہ نازاں ہے طبیعت میری
منزل کعبۂ دل ہو مرا ایماں تم ہو

پھر بھی پوشیدۂ اربابِ نظر رہتے ہو
لوگ کہتے ہیں کہ ہر شئے سے نمایاں تم ہو

اتنی بیگانگیٔ خاص کے اسباب ہیں کیا
اپنے سائے سے بھی دن رات گریزاں تم ہو

وہ کسی اور کو کیوں جانِ وفا بتلائے
اپنے نازشؔ کے لیے جان مری جاں تم ہو

زخمِ دل زخمِ جگر کھانا پڑا
آپ کو دل دے کے پچھتانا پڑا

چوٹ کھائی تھی جہاں احساس نے
ہم کو پھر اس بزم میں جانا پڑا

آ گئے خود کو کھینچ کے آنسو آنکھ تک
رازِ غم جب ان کو سمجھانا پڑا

ان کا اصرارِ مسلسل دیکھ کر
لب پہ حرفِ عشق کو لانا پڑا

عشق کی مجبوریوں میں ان کے پاس
بارہا جانا پڑا آنا پڑا

کیا خبر کیوں ان سے مل کر راہ میں
ہم تو کیا خود دل کو گھبرانا پڑا

اضطرابِ جاں سے نازشؔ خود ہمیں
آپ اپنے دل کو تڑپانا پڑا

زندگی کا جب سے تو دم ساز ہے
دل کی ہر دھڑکن تری آواز ہے

ہیں قفس کی تیلیوں میں جنبشیں
کون طائر مائلِ پرواز ہے

کھل گیا اشکوں سے رازِ زخم دل
راز وجہِ انکشافِ راز ہے

اٹھ رہی ہے دل کی جانب بار بار
تیرا کیا منشا نگاہِ ناز ہے

چھیڑ پھر نغمہ کوئی سازِ ازل
ذرہ ذرہ گوش برآواز ہے

وعظ میں کرتا ہے ذکرِ خیرِ جام
شیخ بھی کتنا زمانہ ساز ہے

نازشؔ ان آنکھوں کا فیض کامیاب
میرے حسنِ شعر کا انداز ہے

زلفِ عنبر فام کے سائے میں ہوں
گردشِ ایام کے سائے میں ہوں

چشمِ ساقی کی ضیا آنکھوں میں ہے
میں فروغِ جام کے سائے میں ہوں

آپ ہی کی ذات ہے مقصودِ شوق
آپ ہی کے نام کے سائے میں ہوں

جب سے دامن مل گیا ہے آپ کا
حسنِ دل آرام کے سائے میں ہوں

کعبے والو! اب کرو میرا طواف
آج کل اصنام کے سائے میں ہوں

یوں غزل ہوتی ہے نازشؔ جیسے میں
بارشِ الہام کے سائے میں ہوں

یہ کس خطا کی سزا ہے ہمیں نہیں معلوم
بہار میں بھی ہیں فیضِ بہار سے محروم

نہ جانے کس کی نظر کھا گئی گلستاں کو
روش روش ہے فسردہ کلی کلی مغموم

گلوں کا ذکر ہی کیا خار لہلہا اُٹھیں
نسیم صبح بدل دے اگر مزاجِ سموم

نہ جانے کس کی تجلّی کا خاص پرتو ہیں
زمیں پہ لالۂ و گل آسماں پہ ماہ و نجوم

مری نظر میں سموتا ہے حسنِ فکر ونظر
ترے خیال کی رنگین وادیوں کا ہجوم

تری حقیقتِ کامل کے فیضِ عرفاں سے
پڑھا دئے ہیں زمانے کو امیوں نے علوم

میں اپنے آپ سے جب تک نہ مل سکا نازشؔ
خودی کا میری سمجھ میں نہ آسکا مفہوم

کمالِ خندۂ گل جب بھی آشکار کیا
چمن وہ دیدۂ شبنم کو اشکبار کیا

خدا بچائے تری اس نگاہ سے جس نے
مزاجِ شیخ حرم کو گناہگار کیا

ہمیں میں تھی کوئی شائد کمی محبت کی
تری نظر نے تو احسان باربار کیا

وہی مقام خزاں کی قیامگاہ بنا
کلی کلی نے جہاں ماتم بہار کیا

وہ ایک وعدہ قیامت سے کم نہ تھا جس کا
بوہمِ حسنِ یقین ہم نے اعتبار کیا

عجیب منزلِ وحشت تھی وہ بھی اے نازشؔ
جہاں خود اہلِ خرد نے جنوں سے پیار کیا

نظر ملا کے نظر آزمائے جا ساقی
مجھے ہلاکِ توجہ بنائے جا ساقی

ترا سرور سلامت ترے خمار کی خیر
شعور وہوش کی دنیا پہ چھائے جا ساقی

جو ایک خاص نظر دل کے پارہوتی ہے
اسی سے قلب وجگر گدگدائے جا ساقی

جلا کے پرتو عارض سے شمعِ ماہ و نجوم
تو اپنی انجمن شب سجائے جا ساقی

ہے ننگِ بادہ کشی احتیاجِ ساغر وجام
مجھے تو اپنی نظر سے پلائے جا ساقی

تری رضا کو میں اپنی رضا سمجھتا ہوں
بنائے جا کبھی مجھ کو مٹائے جا ساقی

کبھی تو کوئی کھلے گی کلی مرے دل کی
تجھے قسم ہے یونہی مسکرائے جا ساقی

ان کی نظروں کا اشارا مل گیا
آج پینے کا سہارا مل گیا

شوق کے سجدوں کی عظمت بڑھ گئی
آستانہ جب تمہارا مل گیا

تنگِ طوفانِ حوادث ہیں وہ لوگ
جن کی کشتی کو کنارا مل گیا

اللہ اللہ میرے جذبوں کی کشش
جب اٹھیں نظریں نظارا مل گیا

ہم کو اپنی زندگی یاد آ گئی
جب بھی کوئی غم کا مارا مل گیا

بے رخی پر بھی یہ نازشؔ ہے کرم
جب کبھی اس کو پکارا مل گیا

خندۂ گل اور گریۂ شبنم
تیری دنیا میرا عالم

جس کو ہو تیری یاد سے نسبت
کتنا مسرت خیز ہے وہ غم

بزم میں ان کی اللہ اللہ
غیر یگانے ہم نامحرم

کھا گئی جن کو تیری نوازش
ہائے ان ارمانوں کا ماتم

تیرا تغافل طوفاں طوفاں
موجِ محبت مدھم مدھم

دل کی منزل عشق کا عنواں
زخمِ مسلسل سوزشِ پیہم

اپنی غزل پر بزم میں ان کی
نازشؔ خود بھی جھوم گئے ہم

روح کو بیقرار کرکے مرے
حسن کا اعتبار کرکے مرے

ساری دنیا ہوئی مخالفِ جاں
آپ سے ہم تو پیار کرکے مرے

فرض اپنا سمجھ کے اہل وفا
جان تم پر نثار کرکے مرے

فصلِ گل نے کیا تباہ چمن
انتظارِ بہار کرکے مرے

چھیڑ کر داستانِ دردِ حیات
ان کو بھی اشکبار کرکے مرے

ہم سا مومن کوئی نہیں نازشؔ
پے بہ پے ذکرِ یار کرکے مرے

اتنی بات تو مانی آکر واعظ کے سمجھانے سے
صحنِ حرم میں جا بیٹھے ہم جب اٹھے مئے خانے سے

کیسی پی کر آج کہو تم آئے ہو مئے خانے سے
آنکھ مچولی کھیل رہی ہیں کیوں آنکھیں پیمانے سے

رات گذاری ہے بولو تو کن زلفوں کے سائے میں
ہوش کی باتیں کرنے پر بھی لگتے ہو دیوانے سے

اس کوچے کی ہیرا پھیری اسے دلِ ناداں ٹھیک نہیں
قدرِ محبت کم ہوتی ہے روز کے آنے جانے سے

ساقیٔ محفل اس میکش کی آنکھ سے اکثر بچتا ہے
ٹکرا دے جو ایک نظر میں شیشے کو پیمانے سے

دردِ دل اور زخمِ جگر کا برسوں جن سے ربط رہا
محفل میں کچھ فاصلے پر وہ بیٹھے ہیں بیگانے سے

سن کے اذانِ قُلقلِ مینا جھوم کے واپس لوٹ آئے
مسجد تک ہم آتو گئے تھے واعظ کے بہکانے سے

گلشن میں ہر آنے والا کیوں تکتا ہے پھولوں کو
پتی پتی بول رہی ہے ان بولے افسانے سے

نازشؔ دل کی آگ بجھانا کوئی آساں کام نہیں
راہِ وفا کیوں کر طئے ہوگئی پوچھ کسی پروانے سے

ز فرق تا بقدم شاہدِ جمیل و حسیں
چراغِ طور کا پرتو ہے تری لوحِ جبیں

ادا ادا ہے تری پیکر ریاضِ ارم
نظر نظر میں ہے مخفی بہارِ خلد بریں

چمن چمن ترے جلوؤں کا عکس حسن وجمال
قدم قدم ہے فلک گیر و اوجِ عرش نشیں

ہزار وہم و گماں ہوں محیط دانش و عقل
خرد کا درسِ جنوں دے رہا ہے تیرا یقیں

تری نگاہ کا خاکہ ہے روئے گل کا فروغ
سخن بروں کا ہے آئینہ عارضِ رنگیں

ترے خیال میں شامل نیا مزاجِ غزل
ترا لطیفِ تبسم ہے جنتوں کا اَمیں

وہی ہے نازشؔ اہلِ نظر زمانے میں
سمجھ لیا ہے رگِ جاں سے جس نے تجھ کو قریں

ہائے رے ان کی کرم فرمائیاں
بخش دیں غم کی مجھے تنہائیاں

ان کے جلوؤں کی فلک پیمائیاں
زندگی کی بن گئیں انگڑائیاں

وہ نہ جب بالیں پہ آئے وقتِ مرگ
موت نے محسوس کیں تنہائیاں

ہوں وہ بدنامِ محبت جس کے ساتھ
ہر قدم چلتی رہیں رسوائیاں

ڈھالتا جاتا ہے حسنِ بے نقاب
چاندنی کے روپ میں پرچھائیاں

منزلِ مقصود کترانے لگی
رہبروں کی دیکھ کر گمرائیاں

ہیں وہ نازشؔ داغِ درمانِ غزل
جن خیالوں میں نہ ہوں گیرائیاں

میرا مفہومِ نظر کیا ہے تمہیں بتلاؤ
شامِ ہستی کی سحر کیا ہے تمہیں بتلاؤ

عشق کی راہ پہ بڑھتا تو چلا جاتا ہوں
میرا مقصودِ سفر کیا ہے تمہیں بتلاؤ

بے نقابی کے لیے جلوہ گہہِ طور کے بعد
حدِ پروازِ شرر کیا ہے تمہیں بتلاو

آپ کا در ہے اگر سجدہ گہہِ اہلِ نظر
پھر یہ اللہ کا گھر کیا ہے تمہیں بتلاؤ

میرے نزدیک غلط ہی سہی مفہومِ وفا
مقصدِ عشق مگر کیا ہے تمہیں بتلاؤ

میرے آنسو تو کسی قدر کے قابل ہی نہیں
قیمتِ لعل وگہر کیا ہے تمہیں بتلاؤ

لوگ کہتے ہیں جو دیوانہ تو سوبار کہیں
تم کو نازشؔ کی خبر کیا ہے تمہیں بتلاؤ

آسمان پر وہ اٹھا جھوم کے بادل ساقی
ہے کہاں آج مئے ناب کی بوتل ساقی

کہیں بن جائے نہ عنوانِ رخِ ابرِ بہار
تیری آنکھوں میں یہ پھیلا ہوا کاجل ساقی

ایک دو جام پلاکر اسے رخصت کردے
روز اچھی نہیں واعظ کی یہ کل کل ساقی

سببِ کلفتِ مئے نوش رہے گا کب تک
روئے مینا پہ تغافل کا یہ آنچل ساقی

کون ہے تیرے سوا جانِ وفا وجہِ کرم
کون فرمائے گا مشکل کو مری حل ساقی

دے گیا ایک شہیدِ مئے وساغر یہ پیام
درد چلتا رہے تیرا یہ مسلسل ساقی

جن کو خود تو نے ہلاکِ ستمِ خاص کیا
ان کی خاطر کفِ افسوس نہ اب مل ساقی

تیرے قدموں پہ فدا ہوگیا نازشؔ تیرا
اب ہوا قصۂ اخلاص مکمل ساقی

سوز وگدازِ عشق کی منزل کو پایئے
پھر حسن کو ادائے محبت سکھایئے

سازِ ازل کی روح تھا جو نغمۂ حیات
للّٰلہ پھر وہ آدمِ نو کو سنایئے

دل کی صدائے درد ہے آوازِ صورِ حشر
خوابیدہ زندگی کو اسی سے جگایئے

بہتر نہیں ہے دل سے کوئی خضرِ زندگی
یہ جس طرف چلائے اسی سمت جایئے

اخلاصِ دل کی منزلِ مقصود ہے یہی
مئے خانے کی ہوا سے نہ دامن بچایئے

جس پر حرم کی عظمتِ کامل کا ہوگماں
اس دور میں وہ بت کدۂ دل بنایئے

نازشؔ ہوں میں اداس نئے رنگِ دہر سے
میٹھے سرُوں میں کوئی غزل گنگنایئے

جب کوئی غیرتِ ناہیدِ غزل گائے ہے
جان ہر تان کے ہمراہ کھنچی جائے ہے

بے زبانی کا نگاہوں سے نہ پوچھے کوئی راز
بات ہونٹوں پہ کہاں دل کی کوئی لائے ہے

اے غمِ دل تجھے میں کر نہیں سکتا ہوں جدا
زندگی تجھ سے ہی آرام وسکون پائے ہے

آئینہ دیکھ کے وہ جانِ تمنا خود ہی
ہمہ تن حیرتِ نظارہ بنا جائے ہے

اب وہ فن کار نظر ہی نہیں آتا نازشؔ
غالب ومیر سے جو دادِ سخن پائے ہے

ترے جمالِ نظر کا پرتو رخِ طبیعت بدل رہا ہے
مرا تصور تری بدولت غزل کے سانچے میں ڈھل رہا ہے

مسرتوں کی ضیا عطا کر مرے تخیل کی انجمن کو
چراغِ دل میرا غم کی خاموش وادیوں میں بھی جل رہا ہے

یہ کون آیا ہے ہجر کی شب نقاب الٹے رخِ حسیں سے
سحر سے پہلے ہی جیسے کوئی حسین سورج نکل رہا ہے

نسیم صحنِ چمن کے جھونکو! فضا کو دلکش بنائے جاؤ
لطیف غنچوں سے بات کر کے ذرا مرا دل بہل رہا ہے

یہ میکدہ ہے ہر ایک لغزش یہاں عبادت سے کم نہیں ہے
وہ ننگِ بادہ کشی ہے نازشؔ جو رند گر کر سنبھل رہا ہے

ان گیسوؤں کا جب سے دیوانہ بن گیا ہے
دل اپنی زندگی سے بیگانہ بن گیا ہے

یادیں تمہاری جب سے بسنے لگی ہیں دل میں
مدت ہوئی یہ کعبہ بت خانہ بن گیا ہے

ادنیٰ سا ذکرِ غم بھی بربادِ آرزو کا
ہونٹوں تک آتے آتے افسانہ بن گیا ہے

اُن مست انکھڑیوں کا اللہ رے تصور
ہر گوشۂ تخیل مئے خانہ بن گیا ہے

پھیری ہیں جب سے تو نے میری طرف سے نظریں
مدت کا دوست دل بھی بیگانہ بن گیا ہے

پہلو سے اٹھ کے نازشؔ جب سے گیا ہے کوئی
کاشانۂ محبت ویرانہ بن گیا ہے

ناقابل ہے یا قابل ہے
میرا دل پھر میرا دل ہے

بحرِ الم میں ڈوبنے والو
عشق کا دریا بے ساحل ہے

آپ پشیماں کیوں ہوتے ہیں
عشق ہی خود اپنا قاتل ہے

ساقیِ ناداں توڑ نہ اس کو
شیشہ نہیں یہ میرا دل ہے

چوم نہ لوں کیوں اس کے قدم کو
عرشِ بریں جس کی منزل ہے

وصل کی حسرت کرنے والو
ان سے جدا ہونا مشکل ہے

نازشؔ جب سے ہم اٹھے ہیں
ویراں ویراں وہ محفل ہے

خُم سبو شیشہ صراحی جام وپیمانہ چلے
آمدِ ساقی پہ مئے خانے کا میخانہ چلے

یوں گذر جاتے ہیں وہ اکثر ہمارے پاس سے
جیسے بیگانوں سے مل کر کوئی بیگانہ چلے

خیر یارب میکدے کی آج سنتے ہیں کہ شیخ
وعظ فرمانے بشانِ عزمِ رندانہ چلے

آرزو یہ ہے ہماری دہر سے اٹھنے کے بعد
ہم رہیں خاموش دنیا بھر میں افسانہ چلے

لطف جب ہے ہوش والے خود ہوں ہمراہِ جنوں
اپنی دُھن میں جانب صحرا جو دیوانہ چلے

کاش ہم بھی اس جمالِ ناز پر قربان ہوں
جان دینے شمع پر جس وقت پروانہ چلے

لطف نازشؔ جب ہے ربطِ عشق کی تکمیل کا
ہوکے آوازِ حرم ناقوسِ بت خانہ چلے

بندہ نواز یہ بھی ادا آپ کی ہے خوب
نظروں سے دل میں آ کے جدا ہوگئے ہیں آپ

یہ حادثہ بھی فتنۂ محشر سے کم نہیں
کیوں دشمنِ خلوصِ وفا ہوگئے ہیں آپ

ابرو پہ بل جبیں پہ شکن قہر در نگاہ
بیٹھے بٹھائے آج یہ کیا ہوگئے ہیں آپ

کیا جرم تھا جو ہم نے محبت کی بات کی
کیا جانے کیوں حضور خفا ہوگئے ہیں آپ

کس نے کہا تھا دیکھئے آئینے میں جمال
کیوں اپنے آپ ہی سے خفا ہوگئے ہیں آپ

اپنا جمال آئینہ خانے میں دیکھ کر
خود اپنے آپ نقشِ حیا ہوگئے ہیں آپ

کھلتا نہیں ہے یہ راز کہ کیوں اپنی بزم میں
نازشؔ کا نام سن کے خفا ہوگئے ہیں آپ

دل چپ رہے خراشِ جگر یونہی رہے
خاموش ہو زباں تو نظر بولتی رہے

جب کہہ سکوں نہ میں شب فرقت کا ماجرا
لہجے میں آنسوؤں کے سحر بولتی رہے

مایوسیٔ فضائے گلستاں کو دیکھ کر
مجرم ہے عندلیب اگر بولتی رہے

مجبور ہو سکوت پہ بانگِ جرس جہاں
خود کارواں سے گردِ سفر بولتی رہے

نازشؔ مری حدیثِ وفا کے جواب میں
روکے حیا تو ان کی نظر بولتی ہے

چھپاتے جن کو بیتے ہیں زمانے
خوشا دل کے وہ ناگفتہ فسانے

چمن میں روشنی کا نام لے کر
جلائے بجلیوں نے آشیانے

معاذاللہ دورِ چرخِ گردوں
صفِ بے گانگاں میں ہیں یگانے

نگاہِ ناز کے وہ تیر اٹھائے
خطا ہوتے نہیں جن کے نشانے

توجہ سے تری کیا زندہ ہوں گے
جنھیں مارا خود تیری حیا نے

مرادِ زندگانی تھے جو نازشؔ
وہ قصے ہو چکے ہیں اب پرانے

پے بہ پے پرسشِ حالات نے مارا ہے مجھے
کہہ سکا جس کو نہ اس بات نے مارا ہے مجھے

یاد آتے ہی تری رک نہیں سکتے آنسو
اس برستی ہوئی برسات نے مارا ہے مجھے

میں کہاں اور کہاں دعوتِ نظارۂ خاص
حسن کی خاص عنایات نے مارا ہے مجھے

جن کا مفہوم وہ خود بھی نہ سمجھ پائیں گے
انھیں مبہم سے اشارات نے مارا ہے مجھے

الجھی الجھی سی نگاہوں سے ملا کر نظریں
بکھرے بکھرے سے خیالات نے مارا ہے مجھے

سہما سہما سا ہے خاکہ مرے مستقبل کا
دورِ ماضی کی روایات نے مارا ہے مجھے

ان کی نظروں کے سرِ بزمِ تمنا نازشؔ
ہلکے ہلکے سے کنایات نے مارا ہے مجھے

آج کے دور میں زندگی کی قسم عظمتِ غم کا معیار کوئی نہیں
سوزِ جاں جس فسانے کا عنوان ہو اس کے سننے کو تیار کوئی نہیں

ہر فغاں بن گئی درد کی داستان، شکوہ سنجِ ستم ہے گو ہر ایک زباں
پاسِ ضبطِ الم کی بدولت مگر جرأت تابِ گفتار کوئی نہیں

دل زسرتا بپا زخمِ بے نام ہے روحِ بے تاب محرومِ آرام ہے
ایسے قاتل کو کیا خاک الزام دوں ہاتھ میں جسکے تلوار کوئی نہیں

ہر نظر آئینہ دارِ آزارِ جاں اشک خوں دیدۂ مضطرب سے رواں
دیکھنے کو بظاہر تری بزم میں دورِ الفت کا بیمار کوئی نہیں

وہ مجسم تغافل جفا آشنا بے نیازِ وفا دشمنِ التجاء
کج ادائی کے عالم میں نازشؔ مری زندگانی کے آثار کوئی نہیں

طالبِ دید تمنائے نظر آج بھی ہے
شامِ غم منظرِ نورِ سحر آج بھی ہے

کارواں کیوں نہ ہو گم کردۂ منزل اے دوست
خضر نا واقفِ آدابِ سفر آج بھی ہے

آج بھی دامنِ محبوب کی ہے مجھ کو تلاش
میری آنکھوں سے رواں سلکِ گہر آج بھی ہے

شکوۂ چارہ گرِ دل پہ زباں ہے مجبور
تھی جو کل وہ خلشِ زخمِ جگر آج بھی ہے

بارشِ اشکِ مسلسل سے بھی جو بجھ نہ سکا
میرے دل میں وہ محبت کا شرر آج بھی ہے

کعبہ ودیر گریزاں ہیں تو کیا غم مجھ کو
میرے سجدوں کے لیے آپ کا در آج بھی ہے

تجھ کو اے بے خبر رازِ وفا کیا معلوم
دلِ نازشؔ ترے احساس کا گھر آج بھی ہے

یہ کس کا آج لب پہ مرے نام آگیا
دنیائے دل میں حشر کا ہنگام آگیا

اللہ رے تصورِ میخانۂ جمال
ہونٹوں پہ کھینچ کے خود ہی سے مرے جام آگیا

شکووں سے دور کا بھی نہ تھا واسطہ مجھے
رسوائیوں میں یونہی مرا نام آگیا

جب بھی ذرا بڑھی ہیں مرے دل کی دھڑکنیں
محسوس یہ ہوا ترا پیغام آگیا

دو گھونٹ پی کے یونہی بہکنے لگے قدم
بادہ کشی کے ذوق پہ الزام آگیا

دیکھا تھا اس نے یونہی دلِ زار کی طرف
بے تابیٔ حیات کو آرام آگیا

وہ کامیابِ راہِ محبت ہوا ضرور
منزل سے پہلے راہ میں جو کام آگیا

نازشؔ خیالِ یار کی رعنائیاں نہ پوچھ
ہر شعر ڈھل کے صورتِ الہام آگیا

کیوں دل ہے بے قرار کوئی بات ہے ضرور
آنکھیں ہیں اشک بار کوئی بات ہے ضرور

ہر پھول کی جبیں سے برستی ہے کیوں خزاں
اے موسمِ بہار! کوئی بات ہے ضرور

کیا جاں دے چکا ہے کوئی کشتۂ فراق
ہر شئے ہے سوگوار کوئی بات ہے ضرور

دل پر خیالِ یار کا ہلکا سا عکس بھی
ہونے لگا ہے بار کوئی بات ہے ضرور

آنے لگا ابھی سے خیالِ سحر مجھے
اے شامِ انتظار کوئی بات ہے ضرور

دل پھر کسی بجھی ہوئی شمعِ مراد کا
بننے لگا مزار کوئی بات ہے ضرور

نازشؔ مری حدیثِ وفا سن کے غیر سے
وہ بھی ہیں شرمسار کوئی بات ہے ضرور

زخمِ دل کو زخمِ جاں ہونے تو دو
ضبطِ غم کا امتحاں ہونے تو دو

روکتے ہو کیوں بنامِ التفات
میرا افسانہ بیاں ہونے تو دو

جو کریں گے تم کو مجبورِ کرم
ان ارادوں کو جواں ہونے تو دو

برق جب چمکے گی دیکھا جائے گا
کچھ مکمل آشیاں ہونے تو دو

روکتا ہے کون جانے سے تمہیں
ختم دل کی داستان ہونے تو دو

خود بخود کھل جائے گا بابِ فلک
مجھ کو مشغول فغاں تو ہونے تو دو

وہ کریں گے عشق کا نازشؔ یقیں
مائلِ ترکِ گماں ہونے تو دو

گلوں کا رنگ پریشان ہے کیوں بہار کے بعد
خزاں شریکِ بہاراں ہے کیوں کہ بہار کے بعد

جو مرگِ لالۂ و گل کا سبب تھا گلشن میں
وہ شعلہ پھر بھی نمایاں ہے کیوں بہار کے بعد

نشاطِ روح جو سرمایۂ گلستاں تھا
وہ گلستاں سے گریزاں ہے کیوں بہار کے بعد

ہر آشیاں میں مہیا بفیضِ برقِ بلا
غمِ حیات کا سامان ہے کیوں بہار کے بعد

فروغِ سر و سمن جس کے دم سے قائم ہے
وہ روح بے سروماں ہے کیوں بہار کے بعد

نگاہِ نرگسِ مخمور باشعور بہار
نجانے آج بھی حیراں ہے کیوں بہار کے بعد

سکوتِ بلبلِ رنگین نواسے اے نازشؔ
خموش سازِ غزل خواں ہے کیوں بہار کے بعد

رندوں کے اخلاصِ وفا کا افسانہ یاد آتا ہے
دیر وحرم کی کشمکشوں میں مئے خانہ یاد آتا ہے

عقل وخرد کی تعبیروں میں ہلچل سی مچ جاتی ہے
دیوانے کو خواب میں جب بھی دیوانہ یاد آتا ہے

کیا یہ کسی تاریخِ کہن کا عنوانِ رنگیں تو نہیں
کعبے والوں کو بھی اکثر بت خانہ یاد آتا ہے

کیف کے عالم میں سر دھننا، بے باکانہ جل جانا
محفل کے اٹھ جانے پر بھی پروانہ یاد آتا ہے

گردشِ دوراں تیری بدولت سامنے ہے یہ عالم بھی
دیکھ کے اپنے گھر کی تباہی ویرانہ یاد آتا ہے

نازشؔ ان کی مست آنکھوں کا جب بھی خیال آتا ہے کوئی
ہم کو پہروں تنہائی میں پیمانہ یاد آتا ہے

تری لوحِ جبیں میں ہے رخِ قدرت کی تابانی
کتابِ عارضِ روشن ہے یا تفسیرِ قرآنی

ابھرتی ہے کبھی جب جرأت چشمِ کلیمانہ
وہ جلوے آپ کرلیتے ہیں خود اپنی نگہبانی

برہمن کے لیے سرمایۂ رشکِ عقیدت ہے
جنابِ شیخ کے ہاتھوں میں زنارِ مسلمانی

جو آنسو خونِ دل کے ساتھ پلکوں تک پہنچا ہے
وہی بنتا ہے میرے نامۂ قسمت کی پشیمانی

قیامت میں تری رحمت کی عظمت کو بڑھائے گی
خطاؤں پر مرے اشکِ ندامت کی فراوانی

درودِ پاک پڑھ کر مئے کشوں کو جام دیتا ہے
مرے ساقی کی دیکھے تو کوئی یہ شانِ ایمانی

بپئے نازش یقیناً حاصلِ حسنِ تغزل ہے
ترے چہرے کی مدحت تیرے چہرے کی ثناخوانی

غزل

نازشِ ماہِ کامل ملیں گے رشکِ خورشیدِ تاباں ملیں گے
زندگی کے حسیں راستے میں سینکڑوں حسن ساماں ملیں گے

سمٹے سمٹے نگاہِ طلب میں عارضِ گل بداماں ملیں گے
ہر نظر کو بہاریں ملیں گی ہر قدم پر گلستاں ملیں گے

کیا خبر تجھ کو حسنِ خراماں، جب تو نکلے گا سیرِ چمن کو
جذبِ نقشِ کفِ پا ہزاروں، میرے جذبات و ارماں ملیں گے

میری نظروں کی کچھ قدر فرما زد پہ اہلِ ہوس کی ہمیشہ
ویسے تجھ کو ہر ہر قدم پر جاں نثار و نگہباں ملیں گے

تیرے جور و جفا کا ہے احساں، دشتِ غم ہوں میں پا بہ جولاں
میرے ہر اشکِ لرزاں میں تجھ کو، سینکڑوں غم کے طوفاں ملیں گے

سایۂ زلفِ جاناں میں نازشؔ سوچ کر جاؤ انجامِ دل کو
ان پریشاں فضاؤں میں رہ کر جو ملیں گے پریشاں ملیں گے

ٹھہر اے گردشِ ایام مجھے پینے دے
روح پا جائے کچھ آرام مجھے پینے دے

مجھ کو رندانِ بلا نوش سمجھتے ہیں امام
واعظِ شہر ہے بدنام مجھے پینے دے

مفتیِ شہر کا فتویٰ ہے کہ میں کافر ہوں
مجھ کو اس بحث سے کیا کام مجھے پینے دے

اپنے ہی سر پہ ترے سر کی قسم دنیا کا
میں اٹھا لوں گا ہر الزام مجھے پینے دے

کھنچ کے آنے کو ہے بیتاب مرے ہونٹوں تک
اب تو ساقی وہ لب جام مجھے پینے دے

میں بنوں دہر میں حسرت ہے یہی پیرِ مغاں
نازشؔ حافظ و خیام مجھے پینے دے

دل سے لب تک نہ کبھی آئے فغاں چپ رہئے
اس سے ہوتا ہے محبت کا زیاں چپ رہئے

ساری دنیا کو خبر کیوں ہو حدیثِ غم کی
لاکھ فریاد کرے زخمِ نہاں چپ رہئے

شیخ کی محفل ہو حق نہیں مئے خانہ ہے
ادباً پیشِ درِ پیرِ مغاں چپ رہئے

تیز کردے نہ اسے اپنی ہی رفتارِ نفَس
جب اٹھے سینے سے آہوں کا دھواں چپ رہئے

ہاں وہی انجمنِ ناز بتاں ہے کہ جہاں
خود کہے طاقتِ گفتارِ زباں چپ رہئے

یہ ہی دستورِ محبت ہے پرستارِ وفا
دیکھ کر دل کی تباہی کا سماں چپ رہئے

قابلِ قدر جہاں شورِ زغن ہو نازشؔ
عظمتِ فن کا تقاضہ ہے وہاں چپ رہئے

رحمت کے آسرے پہ خطا کرکے دیکھئے
فرضِ حیات یوں بھی ادا کرکے دیکھئے

جو بے وفائیوں پہ تمھیں بخشتے نہیں
بندہ نواز ان سے وفا کرکے دیکھئے

ہر ذرہ بن ہی جائے گا آئینہ دارِ طور
جلوؤں کے بابِ حسن کو وا کرکے دیکھئے

تنہائیوں میں آپ بھی کھوجائیں گے ضرور
مجھ کو تجلیوں سے جدا کرکے دیکھئے

پھیلا ہوا ہے دیر سے دستِ سوال شوق
اسکو رہینِ دستِ عطا کرکے دیکھئے

تاحشر مل سکے گی نہ آلام سے نجات
نازش نمازِ بادہ قضا کرکے دیکھئے

جو گواہِ صداقتِ غم ہیں
وہ یہی آنسو حریفِ شبنم ہیں

غیر سے پوچھتے ہیں حال مرا
یہ بھی احسان ان کے کیا کم ہیں

میں ہوں اور ایک عالمِ غمِ دل
ان کے عالم ہزار عالم ہیں

دیکھ کر وہ مری نگاہوں کو
اپنے جلوؤں سے خود ہی برہم ہیں

فخر یہ بھی تو کم نہیں نازشؔ
مرکزِ التفاتِ غم ہم ہیں

سرِ گلشن کوئی کافر ادا جب بے حجاب آیا
جوانی آ گئی پھولوں پہ کلیوں پر شباب آیا

سرِ محفل ہماری سمت اٹھی تھیں یونہی نظریں
خدا معلوم کیوں ان مست آنکھوں میں حجاب آیا

کہیں حسنِ طلب کا یہ بھی پہلو تو نہیں کوئی
جنابِ شیخ کے ہونٹوں پہ کیوں ذکرِ شراب آیا

قدم لرزیدہ لرزیدہ نظر رنجیدہ رنجیدہ
خدا معلوم قاصد لے کے کیا خط کا جواب آیا

بہاروں سے ہوئے جب جام و مینا رقص آمادہ
اس عالم میں بھلا کیوں واعظِ خانہ خراب آیا

سرِ محفل ادھر بکھیریں کسی کے دوش پر زلفیں
ادھر ارض و سما کی وسعتوں میں انقلاب آیا

اسے میں اصل سمجھوں یا فراقِ دل شکن جانوں
وہ آئے مجھ سے جب ملنے تو غصہ ہم رکاب آیا

سکونِ زندگی کا راستہ ہموار کرنے کو
زبان نازشؔ نے کھولی ان کے ماتھے پر عتاب آیا

یہ تجھ سے کہا کس نے پردے میں نہ بیٹھا کر
نظروں کے تقاضوں پر نظریں تو ملایا کر

کچھ اپنی نگاہوں کا ارمان تو پورا کر
یا اپنا تماشہ کر یا میرا تماشہ کر

اے دل یہی موقع ہے اظہارِ محبت کا
وہ سامنے بیٹھے ہیں کچھ عرضِ تمنا کر

موسیٰ کی نگاہوں کا انجام سمجھ پہلے
پھر ان کی تجلی کو مانوسِ تقاضا کر

دنیا کی ہر اک شئے میں جب حسن انہیں کا ہے
دنیا سے الگ رہ کر تنہا انھیں دیکھا کر

جب حسن کی یکتائی ہو آخری منزل میں
اس وقت انھیں نازشؔ آئینہ دکھایا کر

وہ نظر پھر کیف برسانے لگی
میکدے کی یاد پھر آنے لگی

سوچتے ہی خندۂ گل کا مآل
چشمِ شبنم کو ہنسی آنے لگی

انتہائے شدتِ غم کو نہ پوچھ
ذکرِ غم سے روح گھبرانے لگی

ہوشیار! اے عشقِ خوابیدہ مرا
عرش تک آہِ رسا جانے لگی

لالہ زارِ شوق کی یارب ہو خیر
فصلِ گل خود آگ برسانے لگی

سن کے آوازِ شکستِ سازِ دل
موت کی آواز بھرانے لگی

دل نے چھیڑا جب بھی نازشؔ سازِ غم
زندگی میری غزل گانے لگی

مل گیا بحرِ طلب میں شوق کا ساحل مجھے
جب نظر آنے لگے ہیں وہ قریبِ دل مجھے

ہائے رے راہِ محبت کی حسین تنہائیاں
ہر قدم آواز دیتا جارہا ہے دل مجھے

آخری دم ہے مگر لب ہیں شکایت ناشناس
ہمتِ دل کی تو کوئی داد دے قاتل مجھے

بخش دینا ان کو بھی کوئی دلِ درد آشنا
جب دیا تھا درد کی تصویر یارب دل مجھے

محفلِ دنیا میں ورنہ کون مجھ کو پوچھتا
مرے دل نے بھی بنایا پیار کے قابل مجھے

لفظ پر مائل کیا حسنِ گریزاں کا مزاج
اس لیے کرنا پڑا ہے احترامِ دل مجھے

ترے درد کو دے رہا ہوں دعائیں ترا درد اب راس آنے لگا ہے
ترا شکریہ اے نگاہِ عنایت، ہر ایک تیر تیرا ٹھکانے لگا ہے

نگاہِ کرم اور کچھ دیر زحمت، ترا التفاتِ محبت سلامت
ہجومِ الم میں بھی تیری بدولت ہر اک زخمِ دل مسکرانے لگا ہے

اسے رہبروں کی نوازش سمجھئے نئی مشکلاتِ محبت میں مجھ کو
خدا جانے کیوں ہر قدم پر سفر میں کوئی راہزن یاد آنے لگا ہے

زمانے کے اکثر حوادث سے اس کو نجاتِ مسلسل عطا ہوگئی ہے
جوان کی نگاہوں سے اپنے جگر پر نئی سے نئی چوٹ کھانے لگا ہے

یہ کس نے کیا یاد اے ہمنوا یہ رازِ محبت مجھے بھی بتا
ابھی تک تو خاموش تھا قلبِ نازشؔ مگر اب غزل گنگنانے لگا ہے

جو انجمن میں تری پیکرِ غرور رہے
ترے قریب بھی رہ کر وہ لوگ دور رہے

یہاں کوئی حرم و دیر کا سوال نہیں
گئے جہاں بھی ہمیشہ ترے حضور رہے

شب فراق چمک اس طرح سے برقِ جمال
نظر نظر مری عکسِ چراغِ طور رہے

ہزار شوق سہی جنبشِ نگاہِ طلب
خیالِ خاطر نازک مگر ضرور رہے

ہمیں نے آپ کے خنجر سے خودکشی کی تھی
قصور وار تھے ہم آپ بے قصور رہے

جو شرم سار خطاؤں پہ تھے وہ حشر کے دن
خدا کے سامنے جا کر بھی بے قصور رہے

مزا تو جب ہے پلانے کا پیرِ میخانہ
بغیر جام وسبو بے پئے سرور رہے

چراغِ عشق جلاؤ وہ دل میں اے نازش
کہ بعدِ مرگ لحد میں بھی جس کا نور رہے

اسیرِ گردشِ دوراں ہے زندگی اپنی
قفس نصیب حوادث ہے ہر خوشی اپنی

بشکلِ اشک خوشی بہہ گئی ہے آنکھوں سے
فغاں میں گم ہوئے مدت ہوئی ہنسی اپنی

تری خوشی ہے اگر غم تو غم میں بھی خوش ہوں
تری خوشی سے عبارت ہے ہرخوشی اپنی

ترا ہی نام تھا ہونٹوں پہ مرنے والے کے
جدا ہوئی نہ مگر تجھ سے بے رخی اپنی

نگاہِ پیرِ مغاں خود مجھے پلاتی ہے
جدا ہے سارے زمانے سے مئے کشی اپنی

مری نگاہ میں نازشؔ حسین ہے ہرشئے
بہشتِ اہلِ محبت ہے زندگی اپنی

چشمِ ساقی میں جو مستی کبھی لہراتی ہے
غزلِ میر کی تصویر سی بن جاتی ہے

شیخ الحاد بتاؤں کہ اسے کفر کہوں
وعظ سنتا ہوں تو الجھن مری بڑھ جاتی ہے

روتے دیکھا انھیں کلیوں کو خزاں میں کہ جنھیں
گریۂ دیدۂ شبنم پہ ہنسی آتی ہے

چھپ کے جاتے ہی نہیں پینے کو جو اربابِ حرم
بوئے مئے جبہ ودستار سے کیوں آتی ہے

وہ حدیثِ لب ورخسار ہے مقصودِ حیات
جو مقامِ رسن و دار پہ لے جاتی ہے

اہلِ دل کے لیے سرمایۂ جاں ہے نازش
زندگی جب مرے اشعار میں ڈھل جاتی ہے

میرے شانوں پہ وہ زلفیں جب پریشاں ہوگئیں
گردشِ تقدیر کی مجھ سے گریزاں ہوگئیں

اڑ گیا ہے خونِ دل بن کر دھواں نالوں کے ساتھ
آرزوئیں اشک بن کر زیبِ داماں ہوگئیں

اب تو آجاؤ تاروں کے دیئے بجھنے لگے
میری پلکوں پر اب شمعیں فروزاں ہوگئیں

اس تنِ نازک کی وہ اللہ رے رعنائیاں
حسنِ عالم کی بہاریں مل کے انساں ہوگئیں

ہرقدم پر مجھ کو اندیشہ بھٹک جانے کا ہے
منزلِ الفت کی راہیں زلفِ پیچاں ہو گئیں

ذکر جن کا وعظ میں کرتا ہے واعظ بار بار
وہ بہشتیں بھی سمٹ کر کوئے جاناں ہوگئیں

شبِ فراق ستارے بھی کام آ نہ سکے
یہ رنگ ونور کے دھارے بھی کام نہ آسکے

زبانِ شوق تو کیا عرضِ مدعا کرتی
خموشیوں کے اشارے بھی کام آ نہ سکے

جو آرزو کا سہارا تھی عمر بھر کے لیے
اسی نظر کے سہارے بھی کام آ نہ سکے

کسی رقیب کی امداد کا سوال ہی کیا
جہاں میں دوست ہمارے بھی کام آ نہ سکے

نظر نظر تجھے ڈھونڈا روش روش میں نے
چمن چمن کے نظارے بھی کام آ نہ سکے

خراشِ جان فضاؤں میں نازشِ غم گیں
حسیں غزل کے سہارے بھی کام آ نہ سکے

حسیں پیغامِ تسکینِ دلِ ناکام ملتا ہے
شمیمِ زلفِ عنبر بیز سے آرام ملتا ہے

خلوصِ مئے کشی کا یہ تقاضہ ہے کہ محفل میں
نظر ساقی سے ملتی ہے تو کوئی جام ملتا ہے

زمینِ کوئے جاناں ناپتے ہیں اپنی پلکوں سے
شبِ فرقت کے ماروں کو یہ اچھا کام ملتا ہے

جفا سہتے رہو تازندگی بے جرأت شکوہ
محبت میں وفاؤں کا یہی انعام ملتا ہے

مسلسل ان کو خط لکھنے کی عادت ہی سہی لیکن
جوابِ خط ہمیشہ باہمہ دشنام ملتا ہے

وہاں آزادیٔ گنجِ نشیمن کیا ملے نازشؔ
جہاں پر پھول کی آغوش میں اک دام ملتا ہے

کوئی سنتا ہی نہیں مجھ سے زبانی میری
اب تو مایوسیٔ پیہم ہے کہانی میری

پھونک ڈالے گی کبھی ان کے تغافل کی قبا
رنگ لائے گی اگر شعلہ بیانی میرے

ترجمانِ دل پر درد بن جاتی ہے
بے زباں رہتے ہوئے اشک فشانی میری

دل میں رکھ لیجیے شاید کبھی کام آجائے
ہے مری ''یاد'' ہی نازک سی نشانی میری

خود بھی رسوا ہوا مجھ کو بھی کیا خار وذلیل
دلِ بے تاب نے جب بات نہ مانی میری

آپ بیتی مری کیا پوچھ رہے ہو نازشؔ
غمِ ہستی کا بڑھاپا ہے جوانی میری

سب ہوئے تیرے خریدار تری محفل میں
کھل گیا مصر کا بازار تری محفل میں

ذرہ ذرہ میں نظر آتا ہے حسنِ کو نین
ہے عجب عالمِ انوار تری محفل میں

ہر طرف بیخودیٔ شوق ہے اتنی طاری
ہوش کا ذکر ہے دشوار تری محفل میں

کیا قیامت ہے ترے سامنے رہ کر شب بھر
رہ گئی حسرتِ دیدار تری محفل میں

کوئی بھاتا نہیں اب تری تجلی کے سوا
بڑھ گیا شوق کا معیار تری محفل میں

کس کی جرأت ہے کرے عرضِ تمنائے وصال
ہے کسے جرأتِ گفتار تری محفل میں

فکرِ نازشؔ میں تجھے دیکھتے ہی جانِ بہار
ڈھل گئے سینکڑوں اشعار تری محفل میں

غیرتِ ناہیدِ گل اندام سنتے ہی نہیں
آہِ دیوانہ کو شعلہ نام سنتے ہی نہیں

انبساط و کیف کا پیغام سنتے ہی نہیں
ہم حدیثِ زلفِ عنبر نام سنتے ہی نہیں

ہوتو کیوں کر ہو شکستِ دل کا اندازہ انھیں
جب وہ آوازِ شکستِ جام سنتے ہی نہیں

جن کو ربطِ خاص ہومئے بار آنکھوں سے تری
وہ حدیثِ بادۂ گلفام سنتے ہی نہیں

ذکر سے تیرے عبارت زندگی ہے جن کی وہ
گفتگوئے گردشِ ایام سنتے ہی نہیں

کیسے ان کو آسکے گا میری چاہت کا یقین
گوشِ دل سے عشق کا پیغام سنتے ہی نہیں

منہمک رختِ سفر کے باندھنے میں ہیں وہ یوں
کہہ رہے کیا جدار وبام سنتے ہی نہیں

ان سے نازشؔ کس طرح اظہار دردِ دل ہو جب
داستانِ عاشقِ بے نام سنتے ہی نہیں

سعیٔ ناکامِ مسرت کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی غم کی حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں

آپ جو چاہیں سمجھ لیں مرا مفہومِ نظر
میرا مقصود محبت کے سوا کچھ بھی نہیں

بارہا ان کا مرے دل سے مخاطب ہونا
ایک معصوم شرارت کے سوا کچھ بھی نہیں

لالہ وگل کا حسین منظرِ تزئین جمال
پرتوِ حسنِ مشیت کے سوا کچھ بھی نہیں

سب جسے آپ کا اندازِ کرم کہتے ہیں
میرے احساسِ ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں

واقعہ یہ ہے کہ مرا عالمِ تکمیلِ غزل
ان کی بھر پور عنایت کے سوا کچھ بھی نہیں

اک حقیقت کے سوا سارے حقائق نازشؔ
صرف موہومِ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں

نظر نظر تیرا دیدار چاہتا ہوں میں
حریمِ طور کے انوار چاہتا ہوں میں

تھکا ہوا ہوں محبت کی شاہراہوں کا
کسی کا سایۂ دیوار چاہتا ہوں میں

علاج خود ہی کریں گے وہ چشم رحمت سے
خراشِ قلبِ گنہگار چاہتا ہوں میں

وہ زخمِ دل جسے جانِ حیات کہتا ہوں
تری نگاہ سے سو بار چاہتا ہوں میں

ازل کے دن سے جو اب تک ہے میرے کانوں میں
وہی حلاوتِ گفتار چاہتا ہوں میں

حضور حشر کے دن کثرتِ گناہ کے بعد
نگاہِ خاص کا اقرار چاہتا ہوں میں

کسی طبیبِ دل و جاں سے جانے کیوں نازشؔ
علاجِ خاطرِ بیمار چاہتا ہوں میں

جذبۂ دل کے ساتھ جمالِ یار کی باتیں کون کرے گا
میں اٹھوں گا جب محفل سے پیار کی باتیں کون کرے گا

کیف بھری وہ مست نگاہیں دل کی طرف جب اٹھ جائیں گی
جام وسبو کی عظمت سے انکار کی باتیں کون کرے گا

ولولۂ منصور پہ ہو تنقید مگر یہ سوچ کے ہو
ذکرِ رسن پھر کون کرے گا دار کی باتیں کون کرے گا

عطر ہے لاکھ چمن زاروں کا، عکسِ بہشت کا ہے ان کا سراپا
دیکھ کے ان کا چہرہ، پھر گلزار کی باتیں کون کرے گا

کس کو ان جلوؤں سے آخر صرفِ نظر کی داد ملے گی
نازشؔ میں نہ رہا تو پھر دیدار کی باتیں کون کرے گا

زوال آمادہ قوموں کا یہی انداز ہے ساقی
خلوصِ خضرِ منزل ہی زمانہ ساز ہے ساقی

بدل دیتا ہے جو رنگِ نظامِ گردشِ عالم
مشیت کا تری آنکھوں میں وہ اعجاز ہے ساقی

حقیقت کون سمجھائے قفس کے رہنے والوں کو
اسیری کا سبب کوتاہیٔ پرواز ہے ساقی

ترے حسنِ تبسم کا ہے رنگیں آئینہ جنت
قیامت تری تصویرِ نگاہِ ناز ہے ساقی

اسے تیرے سوا کوئی نہ سمجھا ہے نہ سمجھے گا
دلِ نازشؔ کی بے چینی اک ایسا راز ہے ساقی

روتے روتے عمر گنوائی
پھر بھی محبت راس نہ آئی

لب تک پہنچی چوٹ جگر کی
اے غم جاناں تری دہائی

ڈوبا ہوا پھر چاند نہ ابھرے
اللہ رے ان کی انگڑائی

صحرا صحرا گلشن گلشن
شبنم ہے کتنی ہرجائی

صحنِ چمن کاٹے کھاتا ہے
چاندنی رات اور یہ تنہائی

دل میں رکھو دل کی باتوں کو
منہ سے نہ نکلے بات پرائی

بزم میں ان کی فرمائش پر
آج غزل نازشؔ نے سنائی

یاد بیتے دنوں کی پھر آنے لگی، میری پلکوں پر پھر دیپ جلنے لگے
خواب کے ہار گوندھے جو ہم نے کبھی، ایک ایک کر کے اشکوں میں ڈھلنے لگے

چشمِ ساقی فیضان بڑھنے لگا، بادہ نوشوں کا ایمان بڑھنے لگا
فکرِ محشر کو پھر نیند آنے لگی، خم کو وجد آگیا جام چلنے لگے

چاندنی جن کے دل کو لبھاتی نہ تھی، فرشِ گل پر جنھیں نیند آتی نہ تھی
عبرت انگیز ہے یہ مآلِ چمن، اب وہ کانٹوں کے دامن میں پلنے لگے

داستانِ غمِ معتبر کیا کہوں، انقلابِ جہاں کا اثر کیا کہوں
دشمنوں کا تو کیا ذکر ہے ہم نفس، دوستوں کے بھی چہرے بدلنے لگے

بادہ ناب کی مستیاں الاماں، فرصتِ ہوش نازشؔ تھی ہم کو کہاں
چشمِ پیرِ مغاں کا یہ احسان ہے، ڈگمگاتے قدم پھر سنبھلنے لگے

وہ بھی اک وقت تھا، یہ بھی اک وقت ہے یہ گھڑی عرصۂ عمر پر سخت ہے
اک زمانہ رہے ہم بہارِ وطن، اب تو چشمِ وطن ہی میں کھلنے لگے

وہ بھلا گردشِ ایام سے کیوں گھبرائے
جس کو حاصل ہو تری زلفِ حسیں کے سائے

رات آتے ہیں ترے عارضِ روشن کا خیال
میری پلکوں پہ ستارے سے کئی لہرائے

اس تبسم کی ضرورت ہے ترے گلشن کو
غنچہ غنچہ کو ہنسی کی جو ادا سکھلائے

منتظر دیر سے اس عالمِ دیدار کا ہوں
مری نظروں کی ادا تری ادا بن جائے

کیا خبر آپ کے جلوؤں کا ارادہ کیا ہو
بے ارادہ جو نظر آپ سے ٹکرا جائے

آئینہ خانے میں وہ دیکھ کے صورت اپنی
کبھی تکتے رہے حیرت سے کبھی شرمائے

لاؤں گا حشر کے دن چند خطائیں ایسی
جن پہ یارب تری رحمت کی نظر اٹھ جائے

رات دن جن کے تصور میں غزل کہتا ہے
درد نازشؔ کبھی اے کاش انھیں سے پائے

ناز سے روزِ ازل کچھ اس طرح دیکھا مجھے
ہر نظر کے ساتھ تازہ زخمِ دل بخشا مجھے

بھیڑ تھی لاکھوں کی روزِ حشر اس کا کیا علاج
میر ی صورت دیکھ کر رحمت نے پہچانا مجھے

اشکبار آنکھیں ہی آخر ترجمانِ دل بنیں
بات کرنے کا سلیقہ جب نہ کچھ آیا مجھے

اس کو خوش بختی کہوں یا آپ کا احسانِ خاص
التفاتِ ناز کے قابل اگر سمجھا مجھے

ہجر کی شب کا فسانہ کیا کہوں اس کے سوا
رات بھر یادوں نے نازشؔ ان کی تڑپایا مجھے

جنھیں بھی راس آتی ہے شبِ فرقت کی تنہائی
نہیں ہیں کشتگانِ ناز، محتاجِ مسیحائی

اسی کا نام شائد حسنِ انجامِ محبت ہے
مجھے ہنستے ہوئے دیکھا تو ان کی آنکھ بھر آئی

نگاہِ حسن کا انداز ہی کچھ اور ہوجاتا
سر عرشِ بریں ہوتی جو آہوں کی پذیرائی

فضا میں ہوگئے تحلیل میخانے ہی میخانے
خمارِ شب کا آئینہ بنی ہر ایک انگڑائی

انھیں کی تھی نمائش نام جس کا رکھ دیا دنیا
گوارا ہوسکی ان سے نہ جلووں کی تنہائی

وہ اتنا سوچ کر بدنام فرمائیں مجھے نازشؔ
مری رسوائیوں کے ساتھ ہے ان کی بھی رسوائی

آرام کی ہے فکر تو منزل نہ ملے گی
اس سے بڑی اس راہ میں مشکل نہ ملے گی

ہمت ہے تو طوفان ہے خود ساحلِ امید
بزدل کو کبھی دعوتِ ساحل نہ ملے گی

وہ آئینہ خانے سے جدا ہو نہیں سکتے
جب تک کوئی تصویرِ مقابل نہ ملے گی

قانون عجب ہے یہ رہِ عشق وفا کا
منزل کے طلب گار کو منزل نہ ملے گی

جو عظمتِ پروانۂ محفل نہیں سمجھے
تا عمر انھیں یار کی محفل نہ ملے گی

کیوں سن کے داستانِ وفا آپ چپ رہے
حیرت کی بات ہے بخدا آپ چپ رہے

پوچھا ہزار بار خطا مجھ سے کیا ہوئی
لیکن نہ کچھ جواب دیا آپ چپ رہے

غیروں کے طنز، جورِ فلک، زخمِ زندگی
ٹوٹی ہر ایک مجھ پر بلا آپ چپ رہے

آخر کوئی جواب بھی تھا اس سکوت کا
بے جرم ہوکے مجھ سے خفا آپ چپ رہے

دشمن نے پڑھ کہ خط کو، سنائیں ہزارہا
تھا آپ سے خطاب مرا آپ چپ رہے

لطف وکرم کے مسئلہ التفات پر
نازشؔ نے ذکر لاکھ کیا آپ چپ رہے

نظامِ دہر ہے سب کچھ تری خوشی کے لیے
وفا کسی کے لیے ہے جفا کسی کے لیے

کرم کے وعدۂ فردا کا آسرا دے کر
مجھے چنا ہے مشیت نے بیکسی کے لیے

بگڑبگڑ کے وہ ملتے ہیں اس لیے مجھ سے
کہ دشمنی بھی ضروری ہے دوستی کے لیے

کسی حسین کی یہ بھی ادا ہے کتنی حسیں
طلب کیا مجھے محفل میں دل لگی کے لیے

بڑھو مصافحہ کر کے قدم لو بادہ کشو
جناب شیخ بھی آئے ہیں میکشی کے لیے

عجب لکھا ہے کسی نے یہ خط مجھے نازشؔ
اک اجنبی کی ضرورت ہے اجنبی کے لیے

بزم میں چار طرف اہل نظر بیٹھے ہیں
کچھ ادھر بیٹھے ہیں کچھ لوگ ادھر بیٹھے ہیں

کچھ نشانے ہیں جو کرتے ہیں تجھے یاد اب تک
جن نشانوں پہ ترے تیرِ نظر بیٹھے ہیں

آپ کی چشم فسوں ساز کی اللہ رے کشش
ساری دنیا ہے ادھر آپ جدھر بیٹھے ہیں

عرش پروازئ تاثیرِ دعا کی خاطر
لب پہ نالے مرے تو لے ہوئے پر بیٹھے ہیں

شائد آجائے اِدھر سے کوئی بیگانہ مزاج
دیر سے ہم بھی سرراہگذر بیٹھے ہیں

جن کو اشکوں سے کیا کرتی ہے دنیا تعبیر
اپنے دامن میں لیے ہم وہ گہر بیٹھے ہیں

جس جگہ خاص یہی دولتِ دیدارِ جمال
نازشؔ اس بزم میں محتاجِ نظر بیٹھے ہیں

کیوں ہوئے تیری نظر سے دور ہم ایسے نہ تھے
کردیا حالات نے مجبور ہم ایسے نہ تھے

کام آکر آگیا خود جذبۂ ضبطِ الم
شدتِ غم میں کبھی مسرور ہم ایسے نہ تھے

کاش تو کرتا ہمارے ظرفِ دل کا امتحاں
تجھ سے بجھ جاتے چراغِ طور ہم ایسے نہ تھے

تونے اپنا کہہ کے قد اونچا ہمارا کردیا
اس سے پہلے تو کبھی مغرور ہم ایسے نہ تھے

چشمِ ساقی کا ہے نازشؔ ہم پہ احسانِ کرم
نشۂ صہبا سے اتنے چور ہم ایسے نہ تھے

خفا ہم سے نگاہِ یار کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
وہ جانِ آرزو بیزار کیوں ہے ہم نہیں سمجھے

انھیں کے دل پہ جن سے عمر بھر ہم نے وفائیں کیں
وفاؤں کا تصور بار کیوں ہے ہم نہیں سمجھے

وہی محفل جہاں ہم تھے تو پاتی تھیں سکوں روحیں
ہمارے بعد غمِ آثار کیوں ہے ہم نہیں سمجھے

جس افسانے کو سننے کے لیے بیتاب ہیں وہ بھی
وہی ناقابلِ اظہار کیوں ہے ہم نہیں سمجھے

جنھیں اپنا سمجھ کر ہم نے کاٹی زندگی نازشؔ
انھیں ملنے میں ہم سے عار کیوں ہے ہم نہیں سمجھے

زندگی غم سے لاکھ گھبرائے
وقت سے پہلے موت کیوں آئے

موت اس کی غلام ہوتی ہے
زندگی جس کو راس آئے

تہی دامن اس کو پایا ہے
سامنے جس کے ہاتھ پھیلائے

آنسوؤں کو حسین بناتے ہیں
چاند رات کے حسیں سائے

آچکی صبح جس کو آنا تھا
جاچکی رات وہ نہیں آئے

دیکھنے کا مزا ہے جب نازشؔ
میرے صورت میں وہ نظر آئے

سیم و زر کے ہیں آپ پروردہ
کشتۂ روزگار ہیں ہم لوگ

نرم ہونٹوں کا آپ ہیں مسکان
دیدۂ اشکبار ہیں ہم لوگ

نغمۂ کیف ہم سنائیں کیا
ایک ٹوٹا ستار ہیں ہم لوگ

آپ دیکھیں نہ یوں سرِ محفل
دیکھئے دل فگار ہیں ہم لوگ

آپ کے ساتھ اور گستاخی
راستے کا غبار ہیں ہم لوگ

دنیا والو! نہ ہم سے منہ پھیرو
فخرِ پروردگار ہیں ہم لوگ

ہو ہتھیلی پہ جس طرح سیماب
اس طرح بیقرار ہیں ہم لوگ

ڈھل چکی رات وہ نہیں آئے
کشتۂ انتظار ہیں ہم لوگ

میری رودادِ وفا سننے کے بعد
کوئی خوش اور کوئی نالاں ہوگیا

روبرو ان کے مرا دردِ جگر
اشک کی صورت نمایاں ہوگیا

جس کو سمجھا تھا متاعِ زندگی
اشک وہ بھی زیبِ داماں ہوگیا

اس طرح ڈھلکا نقابِ رخ تیرا
دل کی بربادی کا ساماں ہوگیا

تیری محفل کا کرشمہ یہی تو ہے
آج واعظ بھی غزلخواں ہوگیا

حادثوں سے اس قدر کھیلا کیا
حادثوں کا نام انساں ہوگیا

زحمتِ چارہ گری! کیوں چارہ گر
دردِ دل خود دل کا درماں ہوگیا

پھول جب سمٹے تو تربت بن گئی
پھول جب بکھرے گلستاں ہوگیا

میرا ہر ہر شعر نازش میرے بعد
رونقِ بزمِ نگاراں ہوگیا

دردِ دل ہو تو فغاں ہو یہ ضروری تو نہیں
آگ لگنے سے دھواں ہو یہ ضروری تو نہیں

رہنمائی کے لیے بس ہے ہمیں گردِ سفر
کوئی میرِ کارواں ہو یہ ضروری تو نہیں

نام لے کر سر جھکا یا اور سجدہ ہوگیا
کوئی سنگِ آستاں ہو یہ ضرورت تو نہیں

عمر کے دو چار دن صحرا میں بھی کٹ جائیں گے
کوئی صحنِ گلستاں ہو یہ ضروری تو نہیں

آنسوؤں ہی کو بناؤ ترجمانِ دردِ دل
داستاں منہ سے بیاں ہو یہ ضروری تو نہیں

دل بہل سکتا ہے یارو دامنِ کہسار میں
روبرو حسنِ بتاں ہو یہ ضروری تو نہیں

درد کے اظہار میں بھی چھوٹنے پائے نہ ضبط
اشک آنکھوں سے رواں ہو یہ ضروری تو نہیں

امتحانِ عشق تو دے آئے ہو نازشؔ مگر
کامیابِ امتحاں ہو یہ ضروری تو نہیں

قرطاس و قلم لاؤ کہ میں بول رہا ہوں
گفتار سے درہائے عدن رول رہا ہوں

ہوں اس بتِ کافر کی وفا کیشی سے واقف
دانستہ مگر دردِ جگر مول رہاہوں

یہ خواب بھی دیکھا ہے کئی بار قفس میں
اڑنے کے لیے گویا کہ پر تول رہا ہوں

پانی بھرے بادل کی طرح دوستو میں بھی
خاموش کبھی ہوں تو کبھی بول رہا ہوں

میں فیصلۂ الفتِ احباب کروں کیا
احبابِ کی باتوں کو ابھی تول رہا ہوں

اک گردشِ حالات ہے، اک تیرا تبسم
اس زہر کو اِس قند میں گھول رہا ہوں

مجھ سے تو کیا ترکِ تعلق، مگر اے دوست
سینے میں ترے صورتِ دل ڈول رہا ہوں

ہوں خوب مزاج آشنا اربابِ کرم کا
میں دست گدا کا کبھی کشکول رہاہوں

جو عقدہ نہیں کھل سکا تدبیرِ خرد سے
نازشؔ اسے بافیضِ جنوں کھول رہا ہوں

چاہے جو کچھ بھی انجام بہت روئیں گے
رہ گیا ہے یہی اک کام بہت روئیں گے

دیکھ! مت چھیڑ کہ ہم غم سے بھرے بیٹھے ہیں
ورنہ اے گردشِ ایام بہت روئیں گے

ہم وہ میخوار ہیں اٹھ جائیں جو میخانے سے
تو صراحی و مئے و جام بہت روئیں گے

یوں رہِ عمر کو طے کرلیں گے ہم تیرے بغیر
سر جھکائیں گے بہر گام بہت روئیں گے

خانۂ دل کے مکیں سے کہو جائے نہ کہیں
ورنہ اس گھر کے درو بام بہت روئیں گے

دور کرتے ہیں تو میں اٹھ کے چلا جاؤں گا
پھر وہ لے لے کے مرا نام بہت روئیں گے

ہچکیاں آنے لگیں اب ذرا تھم جانا نازشؔ
لے کے کچھ دیر کو آرام بہت روئیں گے

جھڑک کر نہ یوں دور فرمایئے گا
گذارش یہ منظور فرمایئے گا

وفا کو جفا کہہ نہ دیں غم کے مارے
نہ اس درجہ مجبور فرمایئے گا

تجلی سے مانوس ہونے سے پہلے
نظر برسرِ طور فرمایئے گا

کبھی تو ہماری ضرورت پڑے گی
ذرا سوچ کر دور فرمایئے گا

لیے شوقِ نظارہ بیٹھے ہوئے ہیں
نہ جلوؤں کو مستور فرمایئے گا

وفا یا جفا، جو بھی کچھ ہو عطا ہو
کسی طور مسرور فرمایئے گا

ہمیں اپنی نسبت کا دیکر سہارا
ہمیں خود پہ مغرور فرمایئے گا

اجالوں میں نازشؔ کو لے آیئے گا
ہے گمنام مشہور فرمایئے گا

میں جو اک لاشئے تھا تیری اک نظر سے شئے ہوا
تیرے اک ادنیٰ کرم سے مرحلہ یہ طے ہوا

خلد میں کل جو فرشتوں سے بھی سبقت لے گیا
آ کے دنیا میں وہی مشیتِ رباب ونئے ہوا

جب ہوا منظور اس سّرِ نہاں کا انکشاف
ڈھل گیا آواز میں ، داؤد کی وہ لے ہوا

چین سے میں سو رہا تھا اس عدم آباد میں
آیا دنیا میں تو دنیا کا الم درپے ہوا

زہد وورع واتقا کی پول ساری کھل گئی
ننگ دامانِ ظرافت ایک جامِ مئے ہوا

چاہِ بابُل کے لبِ خاموش سے یہ بات سن لے
امتحانِ دو ملائک ایک جام لئے ہوا

دام دے کر لیے گئے ہوتے تو تھی کچھ اور بات
گویا یہ یہ دیوان نازشؔ کا بھی مالِ فئے ہوا

مرکبِ دل پہ عزمِ سفر جب کیا مجھ کو دیر وحرم ڈھونڈتے رہ گئے
جب مقامِ رضا میں فنا ہوچکا مجھ کو لوح وقلم ڈھونڈتے رہ گئے

کیا کہوں وہ حضوری کی کیفیتیں دوریاں ختم ہوئیں منزلِ قرب میں
بحرِ حیرت میں ہوں رہ گئے ڈوب کر، آپ کو ہم ڈھونڈتے رہ گئے

اہلِ دل منزلِ عشق پا بھی چکے میچ کر آنکھ منزل پہ جا بھی چکے
عقل کے بل پہ کرتے تھے جو فیصلے راہ کے زیر و بم ڈھونڈتے رہ گئے

بعدِ عصیاں جو لاحق ہو شرمندگی ایسی شرمندگی پر فدا بندگی
وہ گنہگار خوش بخت ہے کس قدر جس کو ان کے کرم ڈھونڈتے رہ گئے

ہے غم و رنج کا سلسلہ تا لحد جب کہ تخلیقِ انساں ہوئی فی الکبد
ساتھ یوں رنج وغم کا رہا عمر بھر ہم کو غم، غم کو ہم ڈھونڈتے رہ گئے

جن کی آنکھوں کو بھاتی تھیں رنگینیاں جن کا مقصد سفر سے تھا سیرِ جہاں
جا کے طیبہ نگر میں بھی وہ بدنصیب بس ریال ودرم ڈھونڈتے رہ گئے

تیز گامی سے آتی ہیں خود منزلیں رہروانِ حقیقت کے لیتے قدم
عاشقانِ مجازی ہر اک گام پر زلف کے پیچ وخم ڈھونڈتے رہ گئے

بے خودی میں خدا کا جسے دھیان تھا رند وہ نازشؔ بزمِ رحمان تھا
ایک ہی حیثیت میں عرش کو چھولیا خانقاہ وحرم ڈھونڈتے رہ گئے

ہے دستِ فن کار کا نمونہ مجسمہ فنِ آذری کا
وجود پر تیرے ختم ہے فن، مصوروں کی مصوری کا

وہ بے نیازِ وفا پشیماں کھڑا ہے بیمار کے سرہانے
کچھ اور تنفس عطا ہو یارب سفر نہ ہو ختم زندگی کا

تجھے کہوں میر کا تخیل تجھے کہوں داغ کا تجمل
میں فکرِ اقبال تجھ کو مانوں تجھے کہوں فلسفہ خودی کا

سنائی جب میں نے داستانِ فراق آنکھوں میں اشک بھر کر
جھکی ہوئی آنکھ میں تمہاری گماں ہوا ہے مجھے نمی کا

ذرا ٹھہر گردشِ زمانہ! کہ اب وہ آمادۂ کرم ہیں
نظر نظر میں کسی سے پیغام لے رہا ہوں میں زندگی کا

اگر نہیں ہے صراحی وجام سے تعلق تو میکشو پھر
یہ وعظ میں بار بار کیوں شیخ ذکر کرتا ہے میکشی کا

جلایا خونِ جگر سلف نے غزل کے جس پیرہن کی خاطر
ترقیوں نے اتار پھینکا غزل کا وہ پیرہن کبھی کا

صراحی و جام لے کے ساقی تمھاری جانب ہی آ رہا ہے
لبوں پہ اپنی زباں پھرا کر کرو نہ اظہار تشنگی کا

ملاحظہ ہو یہ جرأتِ شیخ درس دیتا ہے مئے کشوں کو
کہ یہ جنوں زادۂ وفا ہیں پتہ نہیں ان کو آگہی کا

موت کا مجھے واعظ خوف کیا دلاتے ہیں
مرچکا ہوں میں کب کا آپ کیا ڈراتے ہیں

ان کو کوئی دیوانہ یاد آگیا ہوگا
شاخ ہائے مژگاں پر پھول مسکراتے ہیں

سننے والا ہر کوئی درد دل میں پاتا ہے
داستانِ دردِ دل جب بھی ہم سناتے ہیں

زندگی بنا دیتا ہے وہ اسے ایسے لوگوں کی
اٹھ کے آخرِ شب جو اس سے لو لگاتے ہیں

ایک شاخ کا منظر ہم نے نے یوں بھی دیکھا ہے
پھول اس کے روتے ہیں خار مسکراتے ہیں

ان کا بوجھ بھی کوئی اپنے سر اٹھا لے گا
دوسروں کا اپنے سر بوجھ جو اٹھاتے ہیں

دل سے چاہنے والا محتسب بھی ہوتا ہے
خوب جانتے ہیں ہم پھر بھی ناز اٹھاتے ہیں

ڈھونڈتی ہے رحمت ایسے مجرموں کو جو
آنسوؤں کے ساتھ اپنا خونِ دل بہاتے ہیں

بلبلانِ گلشن کا زمزمہ بھی ساکت ہو
جب کبھی ترنم سے ہم غزل سناتے ہیں

ژولیدہ مو، سکوت بلب، سر جھکا ہوا
آیا ہوں تیرے پاس لیے چشم نم فقط

کیف وطرب نشاط ومسرت تھے اک طرف
تاریک ایک گوشے میں تنہا تھا غم فقط

ہتھیار ڈالتے ہی بنی آخرش ہمیں
کھالیتے ہیں وہ جب کبھی سر کی قسم فقط

یلغار مجھ پہ کفر کے فتووں کی ہوگئی
آیا تھا یونہی لب پہ جو ذکرِ صنم فقط

اس راہ رو سے بچتا ہے ابلیس ہر طرح
جس کی نگاہ میں ہے راہِ عدم فقط

بندہ نواز شکریہ تیرا ادا ہو گیا
اپنا سمجھ کے تونے دیا ہے جو غم فقط

ہو کر نہال در سے پلٹ جائیں گے ترے
کر دے بس اک اشارہ چشمِ کرم فقط

جن کو مال و جاہ جو ملنا تھا مل گیا
آیا ہے میرے حصے میں نازشؔ قلم فقط

غم ہی ہے امانت غم ہی میرا حوصلہ
خوب پہچانتا ہوں کیا ہے غم کا مرتبہ

چاک کرلیتے ہیں دل سی لیتے ہیں چاکِ جگر
تیرے دیوانوں کا تنہائی میں ہے یہ مشغلہ

کیف کے سانچے میں پنہاں ایک ڈھانچہ غم کا ہے
تاج کہتے ہیں جسے ممتاز کا ہے مقبرہ

زلف کو دو نیم کرکے دوش پر ڈالے ہوئے
آرہے ہیں مجھ سے لڑنے میمنہ یا میسرہ

کی پہل تم نے کہ ہم نے ہے یہی وجہِ نزاع
دیکھ لینا روزِ محشر ہی یہ ہوگا فیصلہ

دل جو لیتا ہے تو لے لو فکر کس کی ڈر ہے کیا
دل کے لینے دینے میں ہوتا نہیں ہے مشورہ

ہوش کے ناخن سے حل ہوتی ہے ہر پیچیدگی
ویسے لاینحل نہیں دنیا میں کوئی مسئلہ

اس نئے رنگِ زمانہ سے بہت مایوس ہوں
دیکھئے آخر کہاں رکتا ہے جاکر سلسلہ

روح میں تنشیط آئے قلب میں بالیدگی
چھیڑ نازشؔ کی غزل دھن میں کوئی اے مطربہ

تو نے اے نازشؔ جسے سمجھا ہے منزل عشق کی
عشق کی منزل نہیں ہے وہ تو اک مرحلہ

انہیں جو چہرے پسند ہیں ان پہ یہی بڑھاتے ہیں آتشِ غم
تپا تپا کر جلا جلا کر انھیں کی رنگت نکھارتے ہیں

وہ مائلِ التفاتِ رحمت کے ساتھ ہوتے ہیں ان کی جانب
جو شب کی تنہائیوں میں اٹھ کر بہ آہ و زاری پکارتے ہیں

ہواؤں کے اے لطیف جھونکو مشقت ان کی بڑھائے جاؤ
کھڑے دریچے کے پاس وہ اپنی بکھری زلفیں سنوارتے ہیں

الٰہی نازک سا دل ہے میرا الٰہی نازک سی جاں ہے میری
کمان ابرو کی تان کر وہ نگاہ کے تیر مارتے ہیں

نہ کی جنھوں نے عطائے منعم کی قدر، ان کا مآل دیکھو
کہ اپنی چھوٹی ضرورتوں کے لیے وہ دامن پسارتے ہیں

نفس نفس آہ آہ کرنا جو زخم پہنچے تو واہ کرنا
مدارسِ عشق میں ہر اک مبتدی کو یونہی سدھارتے ہیں

ایک گالی پھر لب گلفام سے
ہیں تمنائی ترے انعام کے

دھوپ چھاؤں یہ مسرت اور غم
سلسلے ہیں گردش ایام کے

عشق نے بخشا ہمیں کامل شعور
ہم نکمے بھی ہوئے ہیں کام کے

ضرب جاء الحق سے کردو دل بدر
جس قدر اقسام ہیں اوہام کے

ہند میں دو قسم کے بستے ہیں لوگ
ایک رحمانی ہیں دو جے رام کے

آصفیہ سلطنت کی یاد میں
لو مزے کچھ خاص باغ عام کے

روٹھ کر من جانا من کر روٹھنا
ناز نخرے ہیں یہ گل اندام کے

نقشۂ خیرالقرون مفقود ہے
اب مسلماں رہ گئے نام کے

چرچے ہی چرچے ہیں ہر سو شہر میں
تیرے عاشق نازشؔ بدنام کے

گیت

نازنین مہ جبیں گل نشین دل نشیں
ماہ وش ماہ طلعت نگار حسیں

تیرے چہرے کی معصوم رعنائیاں باغ جنت کی پر کیف پرچھائیاں
تیری لوحِ جبیں نور ہی نور ہے میری خلد تمنا کی تو حور ہے
تیرا سایہ جواب بہشت بریں
ماہ وش ماہ طلعت نگار حسیں

تاج ممتاز کا تو ہے عکس حسیں ہر نظر ہے تری میکدہ آفریں
تیرا قد شاخِ طوبیٰ کا آئینہ ہے تو مشیت کے جلووں کا گنجینہ ہے
رضیہ سلطان کے تاج کا ہے نگیں
ماہ وش ماہ طلعت نگار حسیں

تیرا یہ ناصیہ دامن کہکشاں تیرے یہ گیسو شام اودھ کا نشاں
تیرے چہرے سے صبحِ بنارس رواں لاڈ بازار ہاتھوں سے تیرے عیاں
تیرا ثانی بھی ہو کوئی، ممکن نہیں
ماہ وش ماہ طلعت نگار حسیں

تیرے ہمراہ جلوؤں کی بارات ہے تیری پلکوں میں ساون کی برسات ہے
تیرے لب پر سجے ہیں کئی گلستاں جن کی جنبش سے رحمت کی موجیں رواں
میرے دل کے مکاں میں ہے تو ایک مکیں
ماہ وش ماہ طلعت نگار حسیں

چودھویں چاند کا رات تیرا بدن تیرے پیکر میں فردوس کا بانکپن

تیرے خوش قد پہ قرباں سرو چمن خوبرو خوش نظر گلستاں پیرہن
تیرا مسکن جہاں میری جنت وہیں
ماہ وش ماہ طلعت نگار حسیں

باغِ کشمیر کی رخ پر رخشندگی میر و غالب کی افکار کی زندگی
تو مشیت کے جلووں کا حسن عمل حسن فطرت کی ڈھالی ہوئی ایک غزل
غیرت انجم و مہر و ماہ مبیں
ماہ وش ماہ طلعت نگار حسیں

تجھ سے معمور فطرت کی آبادیاں تجھ پر قربان ہمالہ کی سب وادیاں
سبز گیتوں سے ہے سبزۂ خط عیاں تیرا نازشؔ سوائے تیرے جائے کہاں
اس کا تیرے سوا کوئی ہم دم نہیں
ماہ وش ماہ طلعت نگار حسیں

ترانہ وطن

دنیائے آب و گل میں بڑی اس کی شان ہے
نازش مرا وطن یہی ہندوستان ہے

آدم ہمارے باپ ہیں حوا ہماری ماں ہم ان کے ہیں سپوت، ہمارا ہے یہ جہاں
گویا کہ ایک مکاں میں ایک خاندان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

نانک، معین چشتی، مہاویر کا وطن ہے بانسری کرشن کی میرا کا ہے بھجن
اس دیش میں رچا ہوا گوتم کا گیان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

ناقوس دیر اور اذان حرم کا یہ گلدستۂ حسین ہے دین و دھرم کا یہ
یہ میرا دیش مرکز امن و امان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

گیتا یہ زمیں ہے قرآن کی زمیں ہندو کی یہ زمیں ہے مسلمان کی زمیں
دنیا میں میرے دیش کی دھرتی مہان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

ویدوں کی یہ زمیں ہے گرنتھوں کی یہ زمیں ولیوں کی زمیں ہے سنتوں کی یہ زمیں
دین و دھرم سے پیار یہی ہندی کی جان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

سِکھ سُکھ سے جین چین سے عیسائی پیار سے ہر قوم اس زمیں پہ ہے اپنے وقار سے
سب مذہبوں کا، دیش مرا کاروان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

ہندو کی ہا میں میم مسلماں کا مل گیا ہا میم مل کے ’’ہم‘‘ ہوئے چنتا ہے اور کیا
ہم اک ہیں ترنگا ہمارا نشان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

ہندو ہے کوئی، بدھی کوئی، کوئی عیسوی جینی ہے کوئی نانکی کوئی محمدی
ہر پھول کا یہ حسیں گلستان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

ہندوستان ہے ایسی عمارت بنی ہوئی اینٹیں ہر ایک قوم کی اس میں لگی ہوئی
اینٹوں کی ایکتا سے عمارت چٹان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

گیندی سفید سبز ہیں پرچم کے تین رنگ گویا کہ یہ ہیں عظمت آدم کے تین رنگ
چکر اشوک راجا کا پرچم کا گویا دل محبوب گل عذار پہ جیسے ہو کالا تل
لہرائے جب کبھی مرا پرچم ہواؤں میں قوس وقزح کا رنگ بکھیرے فضاؤں میں
ساون کی رت میں گویا دھنک کی کمان ہے
نازش مرا وطن یہی ہندوستان ہے

مسلم کا میم ہندو کی ہا مل کے مہہ بنا اس مہہ کو ایکتا کے الف نے مہا کیا
دیکھو تو چاند میں بھی یہ ہندوستان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

کشمیر تیرا سر ہے تو کنیا ہے تیرے پا آسام ایک ہاتھ تو گجرات دوسرا
کوہ ہمالیہ ترا تا آسمان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

بےمثل و بےمثال ہیں تیرے نوادرات شاہ جہاں کا تاج ہے سبع العجائبات
ایلورا و اجنتا ترے فن کی آن ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

تلسی و والمیکی کو تونے قلم دیا غالب امیر و داغ کو تونے جنم دیا
تیری زمیں کا ان میں ہر اک آسمان ہے
نازشؔ میرا وطن یہی ہندوستان ہے
عینان تجریان ہیں گنگ و جمن ترے شاداب ان سے کھیت ہیں تیرے، چمن تیرے
سنگم الہ آباد میں یہ ایک جان ہے
نازشؔ میرا وطن یہی ہندوستان ہے
شاعر کی یہ زمیں ہے کوی کی زمین ہے جوگی کی یہ زمیں ہے ولی کی زمین ہے
اونچی ہمالیہ سے بھی تیری اٹھان ہے
نازشؔ میرا وطن یہی ہندوستان ہے
ٹیگور کا ترانۂ جن گن تری بہار اقبال کا ترانۂ ہندی ترا وقار
ہر ایک بھارتی کو یہ وردِ زبان ہے
نازشؔ میرا وطن یہی ہندوستان ہے
ہم پر ہے تیری دھرتی کا آکاش مہرپاش ابر کرم سے تیرے کوئی بھی نہیں نراش
ہم پر تو مثل ظل ھما سائبان ہے
نازشؔ میرا وطن یہی ہندوستان ہے
ہا میم سین عین کا گلزار ہند ہے انسان دوستوں کا پریوار ہند ہے
یہ ساز تان سین کی پر کیف تان ہے
نازشؔ میرا وطن یہی ہندوستان ہے
میرا یہ دیش نت نئی آشاؤں کا ہے دیش میرا یہ دیش رس بھری بھاشاؤں کا ہے دیش
ہندی مراٹھی بنگلہ و گجراتی و ٹمل بولی جدا جدا ہے مگر سب ہیں ایک دل
کنٹر تلنگی اڑیہ وملیالی بولیاں صحنِ چمن میں کرتی ہیں انکھیں مچوں لیاں
آسامی بھوجپوری و پنجابی دل نشیں سب بولیاں مٹھاس میں ہیں قند و انگبیں
ان سب میں ربط کے لیے اردو زبان ہے
نازشؔ میرا وطن یہی ہندوستان ہے

بھاشاؤں کے چمن کی صنوبر پری ہے یہ — اردو میں سب کا رس ہے بڑی بھری ہے یہ
پندرہ بنات ہند میں بیٹی ہے یہ بھی ایک — اے دوست چشم غیر سے ہرگز نہ اس کو دیکھ
ساری لسانیات کا لب لباب ہے — ہے پریم سے بھری ہوئی اردو کتاب ہے
اردو زبان نے نعرہ دیا انقلاب کا — عنوان ذی حشم ہے شجاعت کے باب کا
چکبست و ذوق وجوش کی اردو زبان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

پہلے پہل تسلط افرنگ کے خلاف — شاہ العزیز نے دیا فتویٰ یہ صاف صاف
افرنگ نامراد سے کرنا ہے اب جہاد — نعرہ لگا کے آگے بڑھو ہند زندہ باد
آواز دے رہی ہے تمہیں عزت وطن — خطرات میں اسیر ہے قومیت وطن
گورے ڈبو نہ دیں تمہیں افرنگ رنگ میں — دین و دھرم تمہارا نہ مل جائے بھنگ میں
کام فرنگ کے یہ نوالے نہ ہوں کہیں — بے نور دھرم شالے شوالے نہ ہوں کہیں
ان کا فریب تم پہ کوئی کار گر نہ ہو — گوروں کے کالے جادو کا تم پر اثر نہ ہو
لٹنے نہ پائے مندر و مسجد کی آن بان — تہذیب ہند ہو کے نہ رہ جائے بے نشان
مذہب رہے نہ اور کوئی قومیت رہے — انگریز چاہتا ہے کہ انگریزیت رہے
گل ہو نہ جائے ہند کے ناموس کا دیا — آندھی بجھا نہ دے کہیں فانوس کا دیا
اٹھ جاؤ ہندیو! یہ کڑا امتحان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

طوفان سے بچا لو سفینے کو ہندیو — دل سے بہادو خون پسینے کو ہندیو
دکھادو ان کو سبحہ زنار کی بہار — حب الوطن کی سونت لو تلوار تیز دھار
آزاد کرلو ملک کو دست فرنگ سے — تم کیا ہو یہ بتادو انہیں زور جنگ سے
شاہ العزیز ابن ولی کی پکار نے — گویا صدا دی اہل جنوں کو بہار نے
فتویٰ نہیں تھا وہ تو تھا آزادی کا بگل — فتوے کے روپ میں تھا وہ پر جوش اک طبل
فرض جہاد کے لیے سمجھو اذان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

ساقی نے دی اذان تو پڑھنے نماز زند — دیوانہ وار آگئے از شش جہات ہند
ٹیپو شہید شیر دکن سر بکف اٹھا — گوروں کو اپنے غیض کا کرنے ہدف اٹھا
جھانسی میں لکشمی اٹھی چنگھاڑتی ہوئی — گوروں کے زور جنگ کو للکارتی ہوئی
بنگال میں سراج اٹھا باندھ کر کفن — تن من کو اس نے کردیا نذرانہ وطن
شیکھر شبھاش لجپت و امبیڈکر تلک — ہمت کو ان کی دیکھ کے حیران تھا فلک
سر سید اور قاسم و جعفر سروجنی — جوہر عبید حسرت و آزردہ و علی
نہرو انی بسنت عظیم اور کامراج — ان ہستیوں سے رہ گئی ہندوستان کی لاج
مولانا احمد اللہ بھگت سنگھ راجہ رام — نوروجی و مہاتما گاندھی ابوالکلام

شامل انہیں میں سرحدی غفار خان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

محمود اور مدنی اشفاق جن کے نام — ہم ہندیوں کا ان کو عقیدت سے ہے سلام
سابرمتی کا سنت ہے تیرا مہارتن — سینچا ہے اس نے خون سے بھارت کا یہ چمن

قربان ان پہ ہر کوئی بوڑھا جوان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

ان حریت نواز جیالوں کا ولولہ — ثابت ہوا عدو کے لیے ایک زلزلہ
کی وار ایسی پاؤں سے سر تک وہ ہل گئے — نعرہ لگایا ایسا کہ سینوں دل گئے
مغلوب ان کو کردیا چھکے چھڑادئے — دست فرنگ میں جو تھے طوطے اڑا دیئے
لیلائے حریت کے لئے ظلم سہہ گئے — خاشاک بن کے موج تلاطم میں بہہ گئے
پینے کو کالا پانی تھا کھانے کو گھاس تھی — جیلوں کی مار پیٹ میں ہر شب اماس تھی
شاکی ظفر ہے آج بھی اپنے مزار میں — دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں
یاد وطن میں جان بھی وہ آہ دے گیا — خاک وطن سے پیار ظفر شاہ دے گیا

اس پر گواہ اب بھی ترا انڈمان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

آزاد ہند کرنے کی نیت تھی یوں ٹھنی
گوروں کو پھر یہ پاک زمین چھوڑتے بنی
سورج جو ڈوبتا نہ تھا دور فرنگ میں
ایسا گہن لگا نہ پھر آیا وہ رنگ میں
اب ختم وہ فسانہ بیداد ہوگیا
آزاد ہو گیا وطن آزاد ہو گیا
دانشوران ملک نے آزاد ہند کو
دستور جو دیا تھا وہ جمہوریت کا تھا
ہر ایک قوم ہند کی اس میں ہی تھی بھلائی
امن و امان اس میں ہر ایک قومیت کا تھا
جمہوریت کا چار سو سکہ چلا دیا
جمہوریت کا قلعہ پہ جھنڈا اڑا دیا
جمہوریت کا ہم کو ہے رکھنا لحاظ و پاس
جب یہ نہیں تو ملک ہے بنجر زمین گھاس
جب تک رہے گا ہند یہ جمہوریت اساس
ہوگا نہ کوئی خوف نہ ہوگا کوئی ہراس
مدت کے بعد ختم ہوا انتظار یہ
قربانیوں کے بعد ملی ہے بہار یہ
مریخ و مشتری کا یہ جدی قران ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

اس حریت کے دوڑ میں شامل ہے شاملی
علماء دیوبند نے رسی یہ تھام لی
پڑھ لی نماز حب وطن تخت دار پر
اب جا کے حق ہمارا ہوا ہے بہار پر
جلیان باغ حب وطن کا نشان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

اے ہند سب یہ تیرے شہیدان ناز ہیں
بے لوث و بے مثال ہیں بے حرص و آز ہیں
تیرے شہید ناز بتا کس جگہ نہیں
کس کس جگہ خون شہیداں بہا نہیں
اے ہند ان کے خون سے تو سرخرو ہے آج
ان سے بنی ہوئی یہ تری آبرو ہے آج
احسان مند ان کے ہیں جب تک یہ جان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

تقسیم کی جو بات کرے گا وہ ہے عدو
مضمر ہے اتحاد میں قوموں کی آبرو
انصاف تو یہ ہے کہ ملے سب کو اپنا حق
دیوار جو اٹھائی ہے مل کر، وہ ہو نہ شق
اک دوسرے سے پیار سے اہل چمن ملیں
سب کو مساویانہ حقوق وطن ملیں

ایک ماں کے سب ہیں بیٹے تو لڑنا نہ چاہیے   دین و دھرم کے بل پہ جھگڑنا نہ چاہیے
ہم جسم میں کئی ہیں مگر جان ایک ہے   قوموں میں ہیں بٹے ہوئے پہچان ایک ہے
جمنا کسم فریدہ ڈیسوزا سمن لتا   جولی جبین انجلی رعنا شکنتلا
شیکھر سنیل انور و جیکب امر ظفر   ہم ایک ہیں یہ کہہ دو ترنگے تو تھام کر
یکتا ہماری روح ہے یکتا ہی جان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

آبادئ وطن بڑی خوش حال و شاد ہے   تعداد سو کروڑ سے بھی مستزاد ہے
بھگوان کا یہ دیش بڑا بھاگوان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

بھگوان پالتا ہے ہر انساں کو پیار سے   بالک کو جیسے پالتی ہے ماں دلار سے
دھرتی یہ میرے دیش کی ممتا سمان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

دل میں نہیں ہے درد تو پھر دل بھی وہ نہیں   انساں بلائے جانے کے قابل بھی وہ نہیں
جب درد ہی نہیں تو وہ انساں چٹان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

میرے اے دیش واسیو اٹھو قدم بڑھاؤ   انسانیت کے درد کا سب کو سبق پڑھاؤ
پھر دیکھ لو ہر ایک قدم کامران ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

گجرات کے سبق کا پھر آموختہ نہ ہو   پھر گودھرا میں ریل کوئی سوختہ نہ ہو
ساری فضا پہ امن کی چادر تنی رہے   ہر سمت پریم پیڑ کی چھاؤں گھنی رہے
امن و اماں پہ آنچ نہ آئے کسی جگہ   آتنکواد سر نہ اٹھائے کسی جگہ
بنتا ہے دیش نرک ہر اک بھید بھاؤ سے   بنتا ہے سورگ پیار کے میٹھے چلاؤ سے
اس دیش کو سنبھالو امانت خدا کی ہے   دنیا میں تم کو دی ہوئی جنت خدا کی ہے
اس دان کی ہو قدر کہ رحمان دان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

ہندوستانیو! ذرا سوچو وہ نعمتیں
اپنے کرم سے رب نے عطا کی ہے جو تمہیں
آبِ حیات بخش کے دریا بہادیئے
زیرِ قدم سکوں کے رستے بچھا دیئے
گلہائے رنگ رنگ کے گلزار دے دیئے
چاول گیہوں جوار کے بھنڈار دے دیئے
انگور سیب آم انناس سنترہ
لیچی انار آڑو شریفہ چکو ترہ
امردو ناشپاتی پپیتا گلاب جام
شہتوت بیر کیلا پھنس پختہ اور خام
دنیا کی دھرتیوں میں یہ دھرتی ہے انتخاب
لبریز آیتوں سے ہے قدرت کی یہ کتاب
معمور ہیں مناظرِ قدرت سے وادیاں
بھر پور ہیں پیامِ محبت سے دادیاں
جس کو کبھی زوال نہیں ایسی شان دی
دھرتی کے روپ میں تمہیں سونے کی کان دی
جنگل پہاڑ جھیل ندی اور آبشار
بخشی ہیں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں ہزار

ان کھیتوں میں جذبِ حیاتِ کسان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

یارب میرے چمن کو تو رکھنا سدا بہار
اس کو ہر ایک پھول میں گلشن ہوں صد ہزار
برکھا سے پریم کی یہ زمین تر بہ تر رہے
جب تک فلک پہ گردشِ شمس و قمر رہے
میرا چمن خزاں سے کبھی آشنا نہ ہو
ہر ڈالی پر پیار کا اک آشیانہ ہو

نازش کے سازِ دل کی یہ سوزتان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

محنت لگن سے دیش کو آگے بڑھانا ہے
اس کی ترقیات میں تن من لگانا ہے
پربت ہمالیہ سے بھی اونچا اٹھانا ہے
جنت نشان اس کو جہاں میں بنانا ہے

ہم ہندیوں کی بس یہ تمنا ہی جان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

ہد ہد کی آنکھ شیر کا پنجہ لیے ہوئے
قربانیوں کی دل میں تمنا لیے ہوئے

تیار و مستعد مرا فوجی جوان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

دین و دھرم کا پاس لحاظ اور احترام
ہر بھارتی کو دیتا ہے عزت کا اک مقام

دین و دھرم ہی ایک خزانہ ہے ایسا جو
لٹ لٹ کے اور بڑھتا ہی جائے کمی نہ ہو

دین و دھرم کی آبرو تمکو بچانا ہے
دین و دھرم کا نغمہ تمہیں کو سنانا ہے

دین و دھرم نہیں ہے تو نوارنیت نہیں
اس سے بھی آگے میں کہوں انسانیت نہیں

دین و دھرم سے پیار ہی ہندی کی جان ہے
نازش میرا وطن یہی ہندوستان ہے

قطعہ

اخاہ! تم بھی آگئے کیا خوب، آ بھی جاؤ
دل سے گئی تھی یاد تمہاری ابھی ابھی
پاؤں نہیں ہیں یاد کے، آتی ہے پھر بھی وہ
تکلیف اٹھا لیا کرو تم بھی کبھی کبھی

شعر

طلب جب بھانپ لیتے ہیں وہ دیوانوں کی اے نازش
پس چلمق سمٹ کر خود بھی وہ محتاط رہتے ہیں

تمت بالخیر

BAYAZ-E-NAZISH

by

Rauf Ahmed Qasmi, Nazish



حضرت رؤف احمد نازشؔ حیدرآبادی کا شمار ان نابغہء روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے جو شاذ و نادر وجود میں آتی ہیں، وہ نہ صرف خوش الحان قاری، جید عالم دین اور ممتاز خطیب تھے، بلکہ قادرالکلام شاعر بھی تھے۔ انہوں نے غزل، مرثیہ گیت، رباعیات غرض کہ شاعری کی کثیر اصناف میں کامیاب طبع آزمائی کی۔ فی البدیہ کلام کہنے پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ راقم الحروف نے چند سال قبل اپنی کتاب ”اسلام میں اختلاف کے آداب“ جو درحقیقت ایک ممتاز مصری عالم دین ڈاکٹر طہ جابر العلوانی کی شہرہ آفاق کتاب کا ترجمہ تھی، آپ کی خدمت میں میرے بھانجے اور حضرت کے داماد سید مسعود الحسن کے ذریعہ روانہ کی۔ آپ نے کتاب کی ورق گردانی کے بعد فی البدیہ چند اشعار کہے اور فون پر خود سنانے کی تکلیف بھی گوارا فرمائی۔ ان تمام خداداد صلاحیتوں کے باوجود آپ منکسر المزاج خلیق تھے اور ہر ایک سے اپنائیت سے ملتے تھے۔

آپ کی شاہکار تصنیف "نفحۃ القرآن" جو قرآن کریم کا منظوم ترجمہ ہے، وہ نہ صرف آپ کو شہرت دوام بخشے گا بلکہ ان کے نجات اخروی کا بھی ضامن ہوگا۔ آپ نے تقریبا 21 پارے مکمل کئے ہوں گے کہ قضائے الٰہی نے آلیا۔ ہندوستان کے متعدد جید علماء کرام نے آپ کی اس کاوش کو سراہا اور اپنی تقریظات سے نوازا۔

" بیاض نازش " کی اشاعت کے بعد ان کی لائق و فائق دختر اور داماد سید مسعود الحسن نے اس منظوم ترجمے کو منظرِ عام پر لانے کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی سے نوازے۔

مجھے یقین ہے کہ اس مجموعے کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی اور یہ انشاء اللہ مقبول خاص عام ہوگا۔

محمد حنیف کاتب

19/06/2021

Publisher

Syed Masoodul Hasan